یارِ بے وفا

واحبہ فاطمہ

****

"رخصتی ، ہے بدچلن منکوحہ میری ، چاہیے انصاف مجھے
تو پانچ دن بعد ہونی ہے ناں تو اس سے پوچھیں کس
، کا حرام اور ناجائز گند اپنی کوکھ میں ڈالے پھر رہی ہے

پوچھیں اس سے، کس کے ساتھ منہ کالا کر کے اپنے

"شوہر کی عزت اور غیرت کا جنازہ نکالا ہے۔

بھرے پڑے تین خاندانوں کے جرگے میں اس کی

سرد و سپاٹ آواز گونجتی وہاں سب کو ساکت و جامد کر

گئی تھی۔ بھرے مجمعے میں پن ڈراپ سائلنس چھا چکی

تھی۔ جبکہ جس کے بارے میں بات ہو رہی تھی وہ

براؤن فراک کے اوپر سیاہ چادر لیے حیرت، غم، صدمے

اور بے یقینی کی شدت سے پھٹی پھٹی نظروں سے اس

شخص کی جانب دیکھ رہی تھی جس نے اس کا ہاتھ

تھام کر ایک ایک سیڑھی قدم قدم چڑھا کر اسے محبت کی آسمان تک چڑھایا اور وہاں سے ذلت و رسوائی کی اندھی کھائیوں میں اوندھے منہ دھکا دے دیا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو نورزئی، وہ بیوی ہے تمھاری شاہ میر خانزادہ کی بہن، اس لئے سوچ سمجھ کر اپنے منہ سے الفاظ نکالو، نہیں تو یہاں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی، شاہ میر کی دھاڑ خان حویلی کے پورے مردان خانے میں گونجی تھی۔

"یہ رہی تمھاری بہن کی پریگننسی رپورٹ، لیکن یہ بچہ میرا نہیں، اگر میرا نہیں تو اس سے پوچھو کس کا گند ہے، اس نے اطمینان سے کہتے ایک روپورٹ اپنے ہاتھ سے دور اچھالی تھی۔ جسے دیکھ شاہ میر کا سانس تک تھم گیا تھا۔ تب وہ تیزی سے اس کی جانب پلٹا تھا۔

"گڑیا یہ آدمی جو تمھارا شوہر ہے وہ کچھ کہہ رہا ہے، وہ تم پر تہمت لگا رہا ہے، تم سن نہیں رہیں یا بہری ہو گئی ہو، اس کی بات کا جواب دو، کہو کہ یہ سب

جھوٹ ہے، تم تو اپنے کردار پر بات کرنے والوں کا

منہ نوچ لیتی ہو ناں، تو آج بھی اس بات کو جھٹلا دو

کہو کہ یہ سراسر الزام ہے، غلیظ بکواس ہے اور کچھ

نہیں، کہو

شاہ میر خانزادہ نے اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ مگر وہ جس

کے چہرے پر دھوکے کی تاریکی اور سیاہ بختی چھائی ہوئی

تھی۔ اپنی بے تاثر نگاہیں اٹھا کر اپنے بھائی کو دیکھا

تھا۔ اور جب بولی تو اپنے خاندان کو بے موت مارتے

ان کی عزت جیتے جی قبر میں اتار گئی۔

"یہ سچ کہہ رہے ہیں بھائی، میں ماں بننے والی ہوں

لیکن انھیں کے بچے کی، یہ مجھ پر تہمت لگا رہے ہیں

کیونکہ یہ انھیں کا بچہ ہے، اس نے سپاٹ لہجے کہا

تھا۔ شاہ میر کا ہاتھ گھوما۔ ایک زناٹے دار تھپڑ لاڈلی

بہن کا سر گھما گیا جبکہ وہ ظالم نورزئی اب پرسکون سا

کھڑا یہ تماشہ دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"اپنی بہن سے پوچھو کیا ثبوت ہے اس کے پاس کہ

یہ میرا بچہ ہے، اس نے کہتے اپنی محبت ، اپنی محبوب

بیوی کے سر سے رہی سہی چادر بھی کھینچتے اسے بھرے مجمعے میں ننگے سر رسوا کر دیا تھا۔

"آپ آخر اتنے ڈھیٹ کیوں ہیں؟ تین سال سے بے عزت اور خوار ہو رہے ہیں لیکن میں نے آپ کو کوئی مثبت جواب نہیں دیا، اس کے باجود آپ کو اپنی بے عزتی کروانے کا شوق ہے؟ جب میں نے بول دیا ہے کہ میں کسی فیوڈل لارڈ سے شادی کر کے اس کی بے دام کی باندی بن کر اپنی زندگی برباد نہیں کر

سکتی، تو کیوں آتے ہیں میرے پیچھے، اپنا وقت برباد

کیوں کر رہے ہیں،

آج بھی وہ دیوانہ بنا پھر سے اس کی راہ میں حائل ہوا تو

وہ آخر پھٹ پڑی۔

"میں کون سے اینگل سے آپ کو کوئی فیوڈل لارڈ لگتا

ہوں نبیہ، اس کے نرم لہجے میں بلا کی حسرت تھی کہ

پل بھر کو تو وہ اپنے اتنے سخت الفاظ پر شرمندہ سی ہو

گئی۔ واقعی وہ کسی اینگل سے بھی کوئی فیوڈل لارڈ

نہیں لگتا تھا۔ ان دونوں کا تعلق سوات سے تھا۔ وہ

سبز آنکھوں والا شہزادہ جس کے پیچھے لڑکیاں کچے دھاگے سے بندھی چلی جاتیں لیکن وہ اس نازک سی پٹھانی کے پیچھے تین سال سے پاگل ہوا پھر رہا تھا۔ اس میں ذرا بھی کوئی غرور ، گھمنڈ یا کوئی اخلاقی برائی نہیں تھی۔ وہ اکثر یونیورسٹی میں ہر کسی کی مدد کرتا نظر آتا۔ کبھی کسی سے بدتمیزی نہیں کی تھی۔ کبھی کسی کا دل نا دکھایا۔ وہ بہت نرم دل ، مہربان اور سوفٹ ، سپوکن سا شخص اس کے معاملے میں اتنا ہی جنونی بے اختیار اور سر پھرا تھا۔

ٹھیک ہے، آپ کوئی فیوڈل لارڈ نہیں ہیں، لیکن خدا" کے لیے میرا احساس کیجئے، آپ کا یوں میرے پیچھے آنا میری عزت و وقار میرے کردار پر حرف لے آئے گا۔" وہ بی ایس سی کیمسٹری تھرڈ ائیر میں تھی۔ اتنی مشکل سے گھر سے پڑھائی کی اجازت ملی تھی۔ لیکن وہ مستقل تین سال سے اسے زچ کیے ہوئے تھا۔ ہر بار اس کی راہوں میں محبت کا سوالی بن کر کھڑا رہتا۔ کہ اب تو وہ بھی اس کے جنون، مستقل مزاجی اس کی دیوانگی سے خائف ہوتی اندر سے موم کی طرح پگھلنے

لگی تھی۔ خود سے خوف آنے لگا تھا کہ وہ اس کی اس قدر دیوانگی بھری محبت کے آگے ہتھیار نا ڈال دے۔

تبھی وہ پھر سے اسے اپنے سامنے پاتے جھنجھلا اٹھی۔

"کس کی اتنی جرات ہے کہ آپ کے کردار پر کوئی بات کرے، بتائیں مُجھے، کس نے کچھ کہا،؟ اس کے کہنے کی دیر تھی جب نبیہ کا دماغ گھوم گیا۔

"کسی نے کچھ نہیں کہا، لیکن شاید آپ کوئی تماشا لگائے بغیر مانے گے نہیں، یا آپ میری پڑھائی چھڑانا

چاہتے ہیں یا بھرے شہر میں مجھے رسوا کرنا چاہتے ہیں،

ہے ناں،

انتہائی کاٹ دار لہجہ اور طنز بھرے نشتر کے وہ لال

بھبھوکا چہرہ لیے اپنے لب بری طرح بھینچ گیا۔

ٹھیک ہے نبیہ خانزادہ اب تب ہی آپ کے روبرو"

بات ہوگی جب آپ میری محرم بن کر میرے سامنے

آئیں گی کیونکہ آپ صرف احرار مبشر نورزئی کی امانت

ہیں اور جب آپ کا شوہر ہی مجھے ہونا ہے تو کس میں

اتنی جرات ہوگی کہ میری مرضی کے برخلاف آپ کی

"پڑھائی چھڑا دے۔

اس کی سرد آواز اور حتمی و اٹل لہجے میں اتنی برودت

تھی کہ نبیہ کا دل کسی سوکھے پتے کی مانند لرز گیا

تھا۔ وہ آگ کا بھانبھڑ بنا وہاں سے جانے لگا۔

احرار، اس کے نرم گلابی لبوں سے آج پہلے مرتبہ اپنا"

نام سن کر وہ ٹھٹھک کر اپنی جگہ پر رکھا تھا۔

غلط وقت، غلط جگہ پر بغیر کسی رشتے کے یہ نام"

پکارنے کی جرات مت کریں، کوئی انہونی ہو گئی تو بعد

میں بیٹھ کر روئیے گا مت"،

وہ سر پھرا پاگل پٹھان اس کی جانب پلٹا تو نبیہ غیر

محسوس انداز میں دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ وہ سر جھٹکتے

وہاں سے چلا گیا مگر نبیہ کے عجیب طرح کے وسوسے

اور خدشے لاحق کر گیا۔

اس کے تمام خدشے اس وقت سچ ثابت ہوئے جب اگلے ہی دن اس کے لالہ اسے ہوسٹل سے لینے آ گئے۔ اس نے لاکھ سر پٹخا کہ اگلے دنوں اس کی ضروری اسائمنٹس اور تھیسیس ہیں جو اس نے جمع کرانے مگر وہ مان کر نا دیئے۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ ان کے ساتھ سوات واپس آ گئی۔ بڑی حویلی میں خلاف معمول بے تحاشا رونق تھی۔ اور زنان خانے کو پھولوں سے سجایا جا رہا تھا۔ وہ حیران ہوئی۔

لیکن اس کے سر پر اصل دھماکا تو تب ہوا جب پتہ چلا۔ کہ اس کے باپ دادا کے سب بڑے سیاسی و سماجی مخالفین نورزئی خاندان سے اس کا رشتہ آیا ہے۔ وہ بھی صلح اور دوستی کی پیشکش کے ساتھ۔ ان دونوں خاندانوں کے درمیان جو زمینوں کے لے کر نسل در نسل جھگڑے اور مقدمے چل رہے تھے وہ سب ان لوگوں نے ناصرف خانزادہ خاندان کو شادی کے تحفے میں دینے کا وعدہ کیا تھا بلکہ ان کی خاندانی سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار کرنے کا اعلان بھی کیا

تھا۔ جس پر پورے علاقے میں الگ قسم کی خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ نبیہ کے دادا نے یہ پیشکش فورا قبول کرتے پوتی کا رشتہ نورزئی خاندان میں نا صرف طے کر دیا بلکہ انھیں کی فرمائش پر منگنی ونگنی کے جھنجھٹ کی بجائے ڈائریکٹ نکاح کی درخواست بھی قبول کرلی تھی۔

اور اب اس کی ماں نے اس کے سر پر بم پھوڑا تھا کہ آج اس کا نکاح ہے۔ وہ گم صُم سی اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ تو کیا احرار مبشر ایک سراب تھا۔؟ اس

کو سمجھ نا آئی دل وجان میں اتنے سناٹے کیوں اتر

آئے تھے۔ بیڈ پر اس کا نکاح کا عروسی جوڑا پڑا تھا۔ اور

وہ خود جیسے وہاں موجود ہو کر بھی موجود نہیں تھی۔

لیکن ایک مرتبہ پھر اسے تب چار سو چالیس وولٹ کا

جھٹکا لگا جب نکاح خواں نے دلہے کے نام پر احرار

مبشر نورزئی کا نام لیا تو نبیہ کے چاروں طبق روشن ہو

گئے۔ چند پلوں کا کھیل تھا اس شخص نے جو اسے کہا

وہ پورا کر کے دکھایا کہ نبیہ نے اپنے پورے ہوش

حواس میں اپنے پورے خاندان کے سامنے اس پاگل

سبز آنکھوں والے پٹھان کو اپنے تمام جملہ حقوق سونپ دیئے تھے۔ نکاح ہو گیا تھا اور وہ سانس سینے میں پھنسائے گم صُم سی بیٹھی کی بیٹھی رہی گئی۔ دل کو گدگداتے سے احساسات تھے۔ اس نے ایک دن میں زمین آسمان کرتے اپنے خاندان کو برسوں سے چلی آ رہی ضد بازی سے پیچھے ہٹاتے آخر کار اسے حاصل کر لیا تھا جو اب پور پور اس ملکیت بنی بیٹھی۔ ہوش تو تب آڑے جب شور مچا کہ دلہا اپنی دلہن کو دیکھنے فوٹو شوٹ کے زنان خانے میں آ رہا ہے۔ نمیہ کے ہاتھ پیر سرد

پڑ گئے تھے۔ بھاری قدموں کی دھمک جب اپنے اور آتی

سنائی دی۔ سفید شلوار قمیض کے اوپر سیاہ ویسکوٹ

پہنے وہ دراز قد سبز آنکھوں والا وجاہت کا شہکار شہزادہ

جب زنان خانے میں داخل ہو تو سب نے نبیہ کی

قسمت پر رشک کیا۔

احرار نے اس نازک سی گلابی و سفید پٹھانی کو بغور دیکھا

جو مرجنڈا کلر کے روایتی پٹھانی لباس میں گھونگھٹ

اوڑھے خواتین کے درمیان صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس

کے گھر کی خواتین اس کے ساتھ تھیں جو پرشوق انداز

میں دلہن کی جانب دیکھ رہی تھیں جس کا چہرہ فی

الحال گھونگھٹ میں چھپا ہوا تھا۔ احرار آگے بڑھا اور

ہونٹوں کے درمیان آہستگی سے اس۔ کا گھونگھٹ پلٹ

دیا۔ وہ اسے دیکھ کر مبہوت ہوا تھا جو روایتی خاندانی زیور

میں میک اپ کے نام پر صرف گلابی لبوں پر سرخ

لپ اسٹک لگائے بیٹھی اس کے ہوش اڑا گئی تھی۔

اس سے اگلا لمحہ نبیہ کی نگاہوں کے سامنے آسمان گھما

گیا تھا جب اس نے اسے بازوؤں سے تھام کر اپنے

روبرو کیا اور جھک کر اس کا ماتھا اپنے لبوں سے چھو لیا۔

نکاح مبارک ہو میری جان۔" کان میں کی گئی مدھم" سرگوشی اس کا دل جیسے کانوں میں بج اٹھا۔

زنان خانے میں طوفان بدتمیزی سا برپا ہو چکا تھا۔ اور وہ جی جان سے لرزتی خود میں سمٹ گئی کیونکہ یہ جان لیوا گستاخی سر انجام دینے کے بعد اس نے سہارا دے کر نبیہ کو صوفے پر بٹھایا اور اس کے پہلو میں یوں پورے حق سے براجمان ہوا کہ اس کے کشادہ سینے سے ٹکراتا

نبیہ کا دایاں پہلو سلگ اٹھا۔ احرار کا چھوٹا بھائی اپنے

موبائل میں دھڑا دھڑ ان کی تصاویر کلک کر رہا تھا۔

تمام مرد اور بڑے مردان خانے میں تھے۔ اور وہ پورے

زمانے اور اپنی رسم و رواج سے بغاوت کرتا اس وقت

اپنی دلہن کے پہلو میں بیٹھا آسودگی سے مسکرا رہا تھا۔

یہ اس کے پیار کی پہلی جیت تھی۔

کہا تھا ناں اگلی ملاقات محرم بن کر ہوگی، اب تو اعتبار"

کرتی ہیں ناں میری محبت پر؟ یا ساتھ ہی رخصتی لے

کر پوری طرح ثابت کروں؟" احرار کی گھمبیر سرگوشی

جان لیوا تھی وہ مچل گئی۔

"ن، نہیں پلیز، وہ روہانسی ہوئی تھی۔ اس کی رونی

حسین صورت اور لرزتے ہاتھ پاؤں دیکھ وہ گہرا مسکرایا۔

"ابھی توآپ دھان پان سی نکاح کی گھبراہٹ سے

ہچکولے کھا رہی ہیں، اور جس دن رخصت ہو کر

میرے پاس آئیں توتب توآپ بیہوش ہی ہو جائیں

گی،وہ صاف اسے چھیڑ رہا تھا۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ

یہ بہت اچانک ہوا زہنی و اعصابی حملہ تھا جس سے وہ

ابھی تک سنبھل نہیں پائی تھی نہیں تو وہ اچھی خاصی

خود اعتمادی اور بہادر لڑکی تھی۔

آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟" اس نے نروٹھے پن"

سے کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ تبھی ان کا بلاوا آگیا

تو ناچار احرار کو اٹھ کر وہاں سے جانا پڑا۔

بہت جلد دوبارا ملاقات ہوگی۔" وہ لہجے میں بلا کی"

ذومعنیت لیے یاد دہانی کروانا نہیں بھولا تھا۔

وہ ہوسٹل سے باہر نکلی تھی۔ سفید پرنٹڈ شلوار قمیض

کے اوپر سیاہ عبایا اور حجاب لیے آج وہ پہلی مرتبہ

یونیورسٹی جاتے ہوئے عجیب طرح کی گھبراہٹ کا شکار

تھی۔ اس کے دھڑکا سہی ثابت ہوا جب اپنی گاڑی کی

طرف جاتے اس کے قدموں میں ایک اور گاڑی کے

پہیے چرچرائے۔ نبیہ نے ہاتھ میں تھامی فایل زور سے

مٹھیوں میں بھری۔۔ گاڑی سے نکل کر وہ جینز کے

اوپر وائٹ شرٹ پہنے شاندار سا شخص آنکھوں سے سن

گلاسز اتارتا مسکراتے اس کی طرف آیا تو نبیہ کی

ہتھیلیوں سے پسینہ پھوٹ پڑا۔

آیئے میں آپ کو یونیورسٹی چھوڑ دوں، احرار مبشر کہتے"

بے حد قریب آیا تھا کہ اس کے کلون کی خوشبو

حواسوں پر طاری ہوتی محسوس ہوئی۔ مگر نبیہ نے جلد خود

کو سنبھالا تھی۔

جی نہیں، مجھے کوئی دلچسپی نہیں آپ میں، ویسے بھی"

،میں شادی شدہ ہوں، کہیں اور جا کر ٹرائی ماریں

نہیں تو میرے شوہر پہلی فرصت میں گولی ماری دیں

گے آپ کو، وہ چھوٹی سی ناک چڑھا کر بولتی اس قدر پیاری لگی تھی کہ احرار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

”آپ کے شوہر کو تو میں دیکھ لوں گا پہلے آپ کی باری ہے مسز، باقی باتیں گاڑی میں ، اب چلتی ہیں یا اٹھا کر بٹھاؤں، وہ انتہائی بے باکی سے بولتا اس کے چھکے چھڑا گیا تو وہ اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹتی گاڑی کی جانب بڑھی۔ احرار نے ہنستے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے لیے فرنٹ دور کھولا۔ وہ گاڑی میں بیٹھا اور آہستگی سے وہاں سے گاڑی نکالی۔ گاڑی میں

انتہائی معنی خیز رومان پرور سی خاموشی تھی۔ وہ جن بوجھ کر خاموش تھا چاہتا تھا وہ کچھ کہے۔ ادھر وہ اس عجیب سی خاموشی سے بری طرح گھبرائی تھی۔

"آپ نے اپنے خاندان کو اس سب کے لیے کیسے منایا۔" وہ پوچھ بیٹھی اور یہ پوچھنا ہی غضب ہوا۔

"وہ تو کچھ بھی نہیں، آپ کو پانے کے لیے تو میں مرزا کی طرح دودھ کی نہر نکال دوں میرے ہونے والے بچوں کی والدہ محترمہ، وہ مسکرا کر بولتا نبیہ کو سٹپٹانے پر مجبور کر گیا۔ گلابی چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"آپ سیدھی بات کا سیدھا جواب نہیں دے سکتے۔"

وہ نروٹھے پن سے بولی۔ شرم و حیا کی شدت کو غصے کے پیرائے میں چھپایا۔

ابھی تو میں نے ایسا ویسا آپ سے کچھ کہا ہی نہیں" ہے، میں کتنا بے قرار ہوں آپ کو کیسے بتاؤں؟ اپنی بے قراریوں کے قصے اپنی بیوی کو نہیں سناؤں تو اور کہاں جاؤں؟ آپ ہی بتا دیں۔" اس نے بظاہر سنجیدگی سے کہا تھا مگر آنکھوں میں ہلکورے لیتی شرارت بھری

خاص چمک کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھی۔ گاڑی پارکنگ میں داخل ہوئی تھی۔

میں آپ کی بیوی نہیں ہوں ابھی۔" اس نے منہ" بنا کر کہا لیکن جیسے سوکھے جنگل کو آگ کا شعلہ دکھا دیا۔ جب اچانک احرار نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی جانب گھمایا کہ وہ بل کھا کر اس کے کشادہ سینے سے ٹکرائی بری طرح گھبرائی تھی۔

آپ میری 'بیوی' ہی ہیں، پورے زمانے کے سامنے" آپ کو اپنا بنایا ہے، شرعی اور قانونی طور پر پوری طرح

میری ملکیت ہیں، اس بات سے انکار کر سکتی ہیں آپ؟" وہ جنون خیزی لیے بولا تھا۔ اس کی اتنی سی قربت سے نبیہ کی سانس سینے میں اٹک گئی۔

"مم، میں تو،

"ایسی بات میں مزاق میں بھی برداشت نہیں کروں گا۔" اتنے قریب اس حسن کی مورت کو پاتے پل میں اس کا لہجہ بدلتا مخمور ہوا تھا تبھی جھک کر اس کی گال پر ایک دہکتا سا لمس چھوڑا تو نبیہ چکرا کر رہ گئی۔

"پلیز احرار آپ،

مجھے کوئی حد بندی نہیں بتائیے گا، کوئی حد مت"

دکھائیے گا، میرا عشق ان حدود سے آگے نکلتا باغی ہو

چکا ہے۔" وہ کہتا لب بھینچے اس سے دور ہوا۔ نبیہ

پلٹ کر فورا گاڑی سے نکلی تھی وہ بھی بالوں میں ہاتھ

پھیرتا گاڑی سے باہر نکلا۔ وہ دونوں ہمقدم ہوئے تھے

جب احرار مبشر نورزئی کے پہلو میں نبیہ خانزادہ کو دیکھ

وہاں کئی دلو میں حسد و رشک کے بھانبھڑ جلے تھے۔

احرار مبشر کے پیچھے پاگل وہ کہیں سے نکل کر ان کے سامنے آئی تھی۔

لو جی ایک اور حاجن پھسل گئی، کوئی ٹپ کوئی ٹرِک" ہمیں بھی سکھا دو جس سے برقع پہن کر بھی امیر اور ہینڈسم لڑکے پھانس،،

چٹاخ،، ایک زناٹے دار تھپڑ سامنے والی کا منہ گھما" گیا تھا۔ وہ نازک سی پٹھانی مگر اس قدر زور دار تھپڑ تھا کہ سامنے والی کہ آنکھوں کے سامنے ایک مرتبہ اندھیرا تو چھا ہی گیا ہوگا۔

یہ ہے میرا جواب، اور چاہیے تو بتاؤ اچھے سے سمجھا"
دوں، شوہر ہیں یہ میرے، ہمارے خاندان والوں نے
شادی کی ہے ہماری، اور کچھ جاننا ہے؟ وہ شیرنی بنی
غرائی تھی۔ احرار مسکرا اٹھا۔ سامنے والی تھپڑ کھا کر
اس پر جھپٹ پڑتی جب احرار اس کی ڈھال بنا تھا۔
انگلی اٹھا کر اسے وارننگ دیتا وہ اس کا ہاتھ تھام کر
آگے بڑھ آیا۔

کیا ضرورت تھی ہاتھ اٹھانے کی، کیچڑ میں پتھر"

پھینک کر اپنا آپ ہی داغ دار ہوتا ہے۔" وہ اسے نرمی

سے سمجھا رہا تھا۔

میں ہر بات برداشت کر سکتی ہوں لیکن اپنے کردار"

پر کوئی بات برداشت نہیں کر سکتی، اگر کوئی میرے

کردار کے بارے کچھ کہے تو میرے خون میں لاوا بہنے

لگتا ہے دماغ الٹ جاتا ہے میرا۔" وہ سادگی اور

معصومیت سے بتا رہی تھی جسے سن کر وہ گہرا مسکرایا۔

مطلب میری بیوی ہر کسی کے سامنے شیر ہے بس"
میرے سامنے ننھی سی بکری بن جاتی ہے۔" اس نے
کہتے مسکراہٹ دبائی۔

میں آپ کو بکری جیسی لگتی ہوں۔" وہ صدمے سے"
بے حال ہوئی۔

نہیں ہرنی کہنا تھا، جلد جس کا شکار یہ شیر بڑے"
شوق سے کرے گا اور اپنے دل وجاں کو سکون
پہنچائے گا، وہ دل پر ہاتھ رکھتا سر کو ذرا سا خم دیئے
سبز گہری آنکھوں میں ایک خاص چمک سی لیے بولا تو

نبیہ کو اس کی نگاہوں سے اوجھل ہونے میں ہی اپنی عافیت محسوس ہوئی تھی۔

دن خوشیوں کے ہنڈولے پر جھولتے تیزی سے گزر رہے تھے۔ احرار مبشر نے اس پر پوری طرح اپنا حق جماتے اسے اپنا عادی بنا لیا تھا۔ وہ اکثر آؤٹنگ پر نکل جاتے۔ لنچ یا ڈنر باہر کرتے۔ وہ اسے کافی دفع اپنے فلیٹ پر بھی لے کر گیا تھا جہاں انہوں نے اپنی زندگی کے قیمتی اور خوبصورت ترین لمحے گزارے۔ لیکن فلیٹ

پر وہ احرار کے ساتھ کبھی تنہا نہیں گئی تھی۔ وہ جب بھی فلیٹ میں جاتے تو نبیہ کی دوستوں اور احرار کے بہت خاص دوستوں کا پورا گروپ ساتھ ہوتا تھا۔ یونہی نبیہ کے تھرڈ ائیر کے اینول ایگزیمز شروع ہوگئے۔ آج وہ لوگ پھر اس کے فلیٹ میں آئے ہوئے تھے۔ لڑکے اداس بیٹھے تھے اور نبیہ سمیت سب لڑکیاں آنسو بہا رہی تھیں۔ احرار اس کے ساتھ صوفے پر قدرے ان سب سے دور بیٹھا تھا اور سنجیدگی سے اس ٹشو باکس سے ٹشو نکال نکال کر تھمائے جا رہا تھا۔ جو وہ اپنا

آنسوؤں سے تر چہرہ پونچھتی ڈسٹ بن کی نذر کیے جا رہی تھی۔

"اب چپ بھی کریں میری جان، اور کتنے آنسو بہانے ہیں، زندگی اور موت انسان کے ہاتھ میں نہیں، جس کی آنی ہے اس کی ٹل نہیں سکتی، اور ویسے بھی میری جان آپ اپنے شوہر کے سامنے بیٹھی کسی غیر کے لیے کب سے آنسو بہائے جا رہی ہیں۔" احرار مبشر کے لہجے میں جیلسی کا عنصر نمایاں تھا لیکن نبیہ یہ سن کر تڑپ اٹھی تھی۔

"احرار تھے بھائی حارث ہمارے نہیں غیر کوئی وہ، مجھے اور میری تمام دوستوں کو بلکل چھوٹی بہنوں کی طرح ٹریٹ کرتے تھے، یتیم ہونے کے باجود ان کی اتنی سٹرگل کرنا اور پھر جب وہ کسی مقام تک پہنچنے والے تھے تو یوں اندوہناک قسم کے ٹریفک حادثے میں ان کی جان چلے جانا، وہ کیوں تھے اتنے بدقسمت؟" وہ کہتی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

واقعی کچھ لوگ بہت بدقسمت پیدا ہوتے ہیں۔ اور دنیا کی نظر میں بدقسمت ہی مر جاتے ہیں۔ ان میں سے

حارث عبداللہ بھی ایسا ہی شخص تھا۔ یتیم مسکین حارث یتیم خانے سے نکل کر دن رات ایک کرتا یونیورسٹی تک پہنچا تھا۔ اتنا خوش اخلاق، گوش گفتار بے حد نیک سیرت کہ آدھی یونیورسٹی کی لڑکیوں نے اسے اپنا بھائی بنایا ہوا تھا۔ لیکن وہ کل ہی ایک ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہو گیا تو پوری یونیورسٹی کو دکھ کی عمیق گہرائیوں میں دھکیل گیا۔ اس کے جانے سے ہر آنکھ اشک بار تھی۔ وہ نبیہ جس نے کبھی کسی غیر کو اپنے آس پاس بھی ناں پھٹکنے دیا تھا وہ بھی حارث بھائی

سے اپنے چھوٹے موٹے کام بول دیا کرتی تھی۔ دنیا کی نظر میں بدقسمت حارث نے آخرت میں جانے کیا کچھ کما لیا تھا کہ دنیا سے جاتے چہرے پر آسودگی بھری مسکراہٹ سب کے کلیجے چیر گئی تھی۔ اداس تو وہ سب بھی تھے مگر پھر احرار نے بڑی مشکل سے اسے چپ کروایا تھا۔

کل اس کا آخری پیپر تھا اور آج احرار مبشر کی سالگرہ۔ وہ پیپر کی تیاری میں اتنی الجھی کہ اس کے لیے کوئی

گفٹ لینا تو دور سالگرہ کے بارے میں بلکل بھول گئی تھی۔ ہوش تو تب آیا جب اسے گروپ کی لڑکیاں شام کے وقت اسے تیار کر کے سرپرائزلی احرار کے فلیٹ بھیج چکی تھیں۔ وہ اب فلیٹ کے دروازے پر کھڑی بہت بری طرح نروس ہوتی اپنی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ حوصلہ کر کے اندر داخل ہوئی تو فلیٹ میں ملگجا اندھیرا تھا۔ اس کی دوستوں نے کہا تھا وہ جائے تو وہ اس کے پیچھے ہی اس کا گفٹ لے کر آرہی ہیں۔ مگر یہ بس ایک جھوٹ تھا۔ کہ احرار کی جانب سے انھیں کہا

گیا تھا وہ آج سارا وقت اپنی بیوی کے ساتھ پرائیویسی میں گزارنا چاہتا ہے۔

احرار؟" اس نے دھیمے سے پکارا۔ تب فلائٹ کی" لائٹ جلی اور وہ حیران رہ گئی۔ پورے فلائیٹ کو پھولوں اور سالگرہ مبارک کے غباروں سے سجایا گیا تھا۔

سرپرائز۔" وہ کہتا مسکراتا کیک تھامے اندر سے باہر" آیا اور اس حسن کی ملکہ کو میرون شلوار قمیض میں ہلکے میک اپ کے ساتھ یوں کیل کانٹوں سے لیس اپنے سامنے پا کر ہوش اڑا بیٹھا۔

وہ جی بھر کر شرمندہ ہوتی رو پڑی۔

"ارے ارے، وہ بوکھلا گیا اور کیک ٹیبل پر رکھے تیزی

سے اس تک آیا اور اسے اپنے سینے میں چھپا لیا۔

"یہ ایسے سس، سرپرائز تو مجھے آپ کو دینا چاہیے تھا،

م،میں بہت شرمندہ ہو احرار۔" وہ آنسوؤں کے دوران

بھرائی آواز میں کہتی ایک مرتبہ پھر اس کی دل لوٹ

گئی۔

ہم دونوں الگ تھوڑی ہیں جانم، مجھے پتہ ہے آپ پر"
پڑھائی کا کتنا بوجھ ہے، اب یاد نہیں رہا تو نو اشو، آپ
کی طرف سے سرپرائز میں نے ارینج کر دیا، سوچو نا کرنا
یونیک کونسیپٹ ہے اپنی جان کی طرف سے خود کو
سرپرائز دینا، واؤ مزا آ گیا۔" وہ بے حد آہستگی سے اس
کے کانوں میں رس گھولتا اپنے لبوں سے اس کے
چہرے کو مہکاتا رہا جبکہ اس کی اس قدر شدت اور ایسی
دہکتی قربت اس کے حواس چھین رہی تھی تب

احساس ہوا وہ اس کی باہنوں کے حصار میں قید ہو کر

اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری چکی ہے۔

احرار پلیز۔" وہ بوکھلا اُٹھی تھی۔ تب احرار نے"

مسکراتے اسے اپنی قید سے آزاد کیا۔ اسے حصار میں

لئے صوفے پر بیٹھا۔

صد شکر کے آپ اس معمولی سی بات پر رو رہی ہیں"

اُس بات پر نہیں کہ ایگزیم کے فورا بعد کی چھٹیوں

میں ان دو ماہ کے درمیان میں نے اپنی رخصتی طے

"کروا لی ہے۔

اور یہ ہوا تھا نبیہ احرار مبشر کے سر پر دوسرا بڑا دھماکا۔

وہ ششدر سی اسے دیکھتی رہ گئی۔

اب یہ مت کہیے گا نبیہ کہ آپ کو کسی نے بتایا"

نہیں، پلیز پریشان مت ہونا، میری حالت پر ترس کھائیں

میں اب آپ کے بغیر بلکل نہیں رہ پا رہا ہوں، اسی

لیے بغیر ڈسکس کیے رخصتی طے کروا لی، آپ پڑھائی

کی بلکل ٹینشن نہیں لینا جتنا جی چاہے پڑھ لیجئے گا

وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے اپنے ہاتھوں کی حرارت اس کے ہاتھوں میں منتقل کرتے کہتا اسے نگاہیں جھکانے پر مجبور کر گیا۔

آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔" وہ سر جھکا کر اس" کی نگاہوں میں جھانکنے کی کوشش کرتا اس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ تو سن کر ہی پیروں تک سن ہو چکی تھی دھیمے سے نفی میں سر ہلا دیا تو وہ شدت پسندی سے اسے سینے میں بھینچ گیا۔ نیہ بمشکل اس سے الگ ہوئی اور اس کی توجہ کیک کی جانب دلائی۔ ان دونوں

نے کیک کاٹا اور پھر ڈنر کیا۔ تادیر مستقبل کے سہانے سپنے بنتے کافی وقت ہو گیا۔

مجھے اب ہوسٹل چلنا چاہیے کافی وقت ہو گیا۔" اس کی نگاہوں میں لپکتے شوخ تقاضے دیکھ نبیہ خود میں سمٹتی جانے کو پر تولنے لگی۔

مجھے میری سالگرہ کا گفٹ نہیں دیں گی جانم۔" وہ کہتا اس کو اپنی باہوں میں بھرتا اس پر اپنی محبت کی برسات کرنے لگا جبکہ اس کے ہونٹوں کا لمس اس

کے جسم میں سنسنی سی بھر گیا تو نبیہ بری طرح سہمی تھی۔

احرار پلیز۔" وہ اس سے دور ہوتی اس کے اور اپنے" درمیان حد بندی قائم کر دینا چاہتی تھی۔ مگر وہ اس کے دامن سے لپٹا اس پر پوری طرح اپنا حق جتاتا اسے صندل کر گیا۔۔

گزشتہ رات کافی گہری یاد گار اور پرُسکون تھی۔ مگر اس کی صبح اتنی ہی بوجھل اور بے قرار ۔ نبیہ کی سسکیاں پورے فلیٹ میں گونج رہیں تھیں۔

"آپ کے یہ آنسو میری محبت کی توہین ہیں، کیا غلط ہوا ہے ہمارے بیچ، سب کچھ جائز، حلال ، شرعی اور قانونی ہے تو رونا کس بات کا ہے آخر۔" وہ جو کب سے اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا اپنی ہر کوشش ناکام ہونے پر بھڑک اٹھا تو نبیہ مزید سہم گئی اسی لیے آنسو بھی وہیں تھم گئے۔

اگر کک، کچھ ہو گیا ت،تو۔" اس کے الفاظ میں"

خدشے بول رہے تھے۔

کیا ہوگا بچہ؟ تو ہو جائے۔ چند دن ہی تو باقی ہیں"

رخصتی میں، کچھ نہیں ہوگا، وہ اس کی پشت سہلاتا

انتہائی نرمی اور لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔ وہ تادیر اسے

سمجھاتا رہا۔ یہ یقین دلاتا رہا کہ کچھ نہیں ہوگا تو وہ بہل

گئی۔ مگر بہت برے دل سے پیپر دیا۔ آخر ایگزیم کے

بعد وہ خود اسے سوات حویلی چھوڑ کر گیا تھا۔

وہ گھر آ تو گئی مگر کئی فکریں اور بے قراریاں اپنے ساتھ لے آئی۔ حالانکہ ابھی ایک ماہ پڑا تھا مگر حویلی میں اس کی رخصتی کی تیاری بڑے زور شور سے چل رہی تھیں۔ اس کی اکلوتی بڑی بہن جو کے شادی کے بعد انگلینڈ جا بسی تھی وہ شادی اٹینڈ کرنے پاکستان آ چکی تھی۔ رخصتی جلد ہو رہی تھی اسی لیے وہ مطمئن ہو گئی مگر پھر خود میں اپنے وجود میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے حقیقت کا ادراک ہوتے اس کی روح تک کانپ اٹھی تھی۔ اس پر تضاد رخصتی ایک مہینے تک مزید

ملتوی ہو جانا۔ نبیہ کو لگا وہ جیتے جی مر جائے گی۔ وہ حویلی میں تھی اسی لیے کسی صورت اس ظالم شخص سے مل نہیں سکی تھی جو اس کی نازک جاں کو عجیب روگ لگا کر خود جانے کون سے گورکھ دھندوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ وہ پچھلے دنوں روز اس سے فون پر بات کرتا پہلے ہی جیسے اسے میسج کرتا مگر جانے کیوں سب کچھ پہلے جیسا ہونے کے باوجود پہلے جیسا نہیں تھا۔اس کو تڑپتے سسکتے پورے پونے دو ماہ گزر چکے۔ جب درد و اذیت برداشت سے باہر ہوا تب اس نے

فون کر کے اسے خود پر بیتنے والی قیامت کا احوال سنایا تو کچھ لمحوں تک بلکل خاموش سا تھا۔ پھر اسے تسلی دیتے کہا کہ وہ خود اسے چیک کروانے لے جائے گا۔ وہ شاپنگ کے بہانے اسے ہاسپٹل لے کر گیا تھا اور وہاں اس کے ہر خدشے کی تصدیق ہو گئی۔ وہ ماں بننے والی تھی۔ وہ واپسی پر تمام راستے روتی رہی تھی مگر جانے کیوں اس کے ایک ہی آنسو پر تڑپ جانے والا شخص اب بہت خاموشی سے اس کی سسکیاں سن رہا تھا۔ وہ اسے گھر چھوڑ گیا تھا بنا کچھ کہے ۔ بنا تسلی

کے دو بول بولے۔ بنا اس کی ڈھارس بندھائے۔ وہ دیکھتی رہی حیران ہوتی رہی۔ کیا کسی محبت کرنے والے کا دل یوں بدلتا ہے؟ یا اتنی جلدی بھر جاتا ہے؟ اسے سمجھ نا آئی۔

لیکن اصل قیامت اس کے سر پر تو رات کو ٹوٹی جب اس کے لالہ نے بڑی سنجیدگی سے بتایا کہ ان کے خاندان اور خاص کر نبیہ خانزادہ کو نورزئی خاندان اور نورکزئی خاندان کی طرف سے کل جرگے میں بلایا گیا ہے۔ سب حیران و پریشاں تھے کہ یہ کیا ہوا ہے

انھیں کیوں بلایا گیا ہے۔ وہ اس دشمن جاں کو فون کرتی رہی جو کہ سوئچ آف ملا۔ وہ ساری رات نہیں سو پائی تھی۔ پوری رات آنکھوں میں کٹی۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا یا چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ چپکے سے کوئی عذاب یا قیامت دبے قدموں اس کی جانب بڑھ رہی ہے اسے خاک میں ملانے۔ وہ گم صُم تھی۔ اور اس قیامت صغریٰ کا خلاصہ صبح ان کی حویلی کے مردان خانے میں ہو چکا تھا۔ جب وہ اس کا محبوب شوہر اس کا محافظ اس کی عزت و ناموس کا رکھوالا

بھرے خاندانوں میں اس کے شفاف کردار پر بھر بھر کر کیچڑ اور غلاظت اچھلتا اسے بدچلن کہہ رہا تھا۔

"مجھے انصاف چاہیے، میری منکوحہ بدچلن ہے، رخصتی تو پانچ دن بعد ہونی ہے ناں تو اس سے پوچھیں کس کا حرام اور ناجائز گند اپنی کوکھ میں ڈالے پھر رہی ہے، پوچھیں اس سے، کس کے ساتھ منہ کالا کر کے اپنے شوہر کی عزت اور غیرت کا جنازہ نکالا ہے۔"

بھرے پڑے تین خاندانوں کے جرگے میں اس کی سرد و سپاٹ آواز گونجتی وہاں سب کو ساکت و جامد کر

گئی تھی۔ بھرے مجمعے میں پن ڈراپ سائلنس چھا چکی تھی۔ جبکہ جس کے بارے میں بات ہو رہی تھی وہ براؤن فراک کے اوپر سیاہ چادر لیے حیرت، غم، صدمے اور بے یقینی کی شدت سے پھٹی پھٹی نظروں سے اس شخص کی جانب دیکھ رہی تھی جس نے اس کا ہاتھ تھام کر ایک ایک سیڑھی قدم قدم چڑھا کر اسے محبت کی آسمان تک چڑھایا اور وہاں سے ذلت و رسوائی کی اندھی کھائیوں میں اوندھے منہ دھکا دے دیا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو احرار مبشر نورزئی، وہ بیوی ہے تمھاری شاہ میر خانزادہ کی بہن، اس لئے سوچ سمجھ کر اپنے منہ سے الفاظ نکالو، نہیں تو یہاں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی، شاہ میر کی دھاڑ خان حویلی کے پورے مردان خانے میں گونجی تھی۔

"یہ رہی تمھاری بہن کی پریگننسی رپورٹ، لیکن یہ بچہ میرا نہیں، اگر میرا نہیں تو اس سے پوچھو کس کا گند ہے، اس نے اطمینان سے کہتے ایک روپورٹ اپنے ہاتھ سے دور اچھالی تھی۔ جسے دیکھ شاہ میر کا سانس

تک تھم گیا تھا۔ تب وہ تیزی سے اس کی جانب پلٹا

تھا۔

گڑیا یہ آدمی جو تمھارا شوہر ہے وہ کچھ کہہ رہا ہے، وہ"

تم پر تہمت لگا رہا ہے، تم سن نہیں رہیں یا بہری ہو

گئی ہو، اس کی بات کا جواب دو، کہو کہ یہ سب

جھوٹ ہے، تم تو اپنے کردار پر بات کرنے والوں کا

،منہ نوچ لیتی ہو ناں، تو آج بھی اس بات کو جھٹلا دو

کہو کہ یہ سراسر الزام ہے، غلیظ بکواس ہے اور کچھ

،نہیں، کہو

شاہ میر خانزادہ نے اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ مگر وہ جس کے چہرے پر دھوکے کی تاریکی اور سیاہ بختی چھائی ہوئی تھی۔ اپنی بے تاثر نگاہیں اٹھا کر اپنے بھائی کو دیکھا تھا۔ اور جب بولی تو اپنے خاندان کو بے موت مارتے ان کی عزت جیتے جی قبر میں اتار گئی۔

"یہ سچ کہہ رہے ہیں بھائی، میں ماں بننے والی ہوں، لیکن انھیں کے بچے کی، یہ مجھ پر تہمت لگا رہے ہیں کیونکہ یہ انھیں کا بچہ ہے، اس نے سپاٹ لہجے کہا تھا۔ شاہ میر کا ہاتھ گھوما۔ ایک زناٹے دار تھپڑ لاڈلی

بہن کا سر گھما گیا جبکہ وہ ظالم نورزئی اب پرسکون سا کھڑا یہ تماشہ دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"اپنی بہن سے پوچھو کیا ثبوت ہے اس کے پاس کہ یہ میرا بچہ ہے، اس نے کہتے اپنی محبت ، اپنی محبوب بیوی کے سر سے رہی سہی چادر بھی کھینچتے اسے بھرے مجمعے میں ننگے سر رسوا کر دیا تھا۔ واقعی فی الحال وہ تہی داماں تھی کہ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا کہ یہ بچہ اس کے بے وفا شوہر کا ہے۔ جو انسانیت کے درجے سے انتہائی نیچے گرتا اپنی ہی اولاد کو

حرام اور ناجائز ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس کے خاندان کی عورتیں بین کر کر کے رو رہی تھیں تمام مردوں کے سر جھک چکے تھے۔ جبکہ شاہ میر خانزادہ اسے قتل کرنے اس کی جانب لپک رہا تھا۔ اورکزئی خاندان (جو کہ دونوں خاندانوں کا انصاف کرنے بیچ میں ڈالے گئے تھے) کے سب سے بزرگ پر جلال سے سفید داڑھی والی شخصیت نے شاہ میر خانزادہ کو ہاتھ اٹھا کر روکا تھا۔

ٹھنڈ رکھو جوان، جب تک کچھ ثابت نہیں ہو جاتا یہ"
جرگہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونے دے گا، اپنی
بہن کو کہو کل تک اپنی پارسائی کا ثبوت لائے، نہیں
تو اسے جرگے کے فیصلے کے مطابق اپنی بدچلنی کی
سزا بھگتی ہوگی۔"

بزرگ نے فیصلہ سنایا۔ سب نے اتفاق کیا۔ جرگہ
برخواست ہوا تو وہاں سے سب چلے گئے۔ خانزادہ حویلی
میں موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ درودیوار سے یوں
وحشت ٹپک رہی تھی جیسے گھر کے کسی فرد کے جنازہ

اٹھنے پر موت کی وحشت درودیوار پر رقص کرتی ہے۔

اس کی یہ بات ماننے کے باجود کہ اس کی کوکھ میں موجود بچہ اس کے شوہر کا ہے اس کے ماں نے اسے خوب دھنک ڈالا تھا۔ اس نے جیسے خون کے آنسو بہائے تھے۔ سمجھ نہیں آرہی تھی کیا کرے۔ اس کے شوہر نے اس کے اندر کی عورت کو جیتے جی مار ڈالا تھا۔ اب تو بس ایک زندہ لاش تھی جو سب کے کلیجہ چیرتے طعنے تشنے سہہ رہی تھی۔

جب اس نے نورزئی حویلی میں قدم رکھا تو سب نے اسے ایسی حقارت و نفرت بھری نظروں سے دیکھا کہ وہ جیسے زمین میں گڑ کر رہ گئی۔

"اے بدچلن حرافہ، یہاں کیا کرنے آئی ہے اب۔" احرار کی پھپھو نے اپنے منہ سے زہر اگلا تھا۔

مجھے اپنے شوہر احرار سے ملنا ہے ابھی۔" اس نے" بے تاثر لہجے میں کہا تو وہاں موجود عورتوں نے انگشت بدنداں ہو کر اپنی انگلیاں دانتوں تلے داب لیں۔

"دیکھو تو کتنی بے حیا اور بے غیرت ہے کیسے سب

کے سامنے دھڑلے سے اپنے مرد سے ملنے کی بات کر

رہی ہے، سچ ہے واقعی اس کے دیدوں کا پانی مر چکا

ہے یا شرم حیا بیچ کھائی ہے حرافہ نے۔" احرار کی

چاچی اپنے منہ سے مغلظات بکنے لگیں جب وہ سرد و

سپاٹ تاثر لیے جانے کہاں سے نکل کر ان کے پاس

آیا تھا۔

"کیا بکواس ہے؟ کیا تماشا لگا رکھا ہے یہاں؟ یہ گھر

ہے یا کوئی چڑیا گھر جہاں سکون نامی کوئی چیز نہیں،

جب دیکھو جاہلوں کی طرح شور شرابہ مچایا ہوتا ہے، اب کسی کی آواز آئی تو پوری حویلی کو آگ لگا دوں گا، وہ حسب روایت جاہل مردوں کی طرح یوں دھاڑا تھا کہ تمام لاونج نوکروں سے تو کیا خواتین سے بھی خالی ہو چکا تھا۔ شاید اس حویلی کا کرتا دھرتا وہی تھا۔

چلو میرے ساتھ۔" اس نے آکر نبیہ کو کہا تھا۔"

نبیہ چپ چاپ اس کی تکلید میں چل پڑی۔ وہ اسے لیے اپنے بیڈ روم میں آیا تھا۔

بیٹھ جاؤ۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا یوں جیسے "

کچھ ہوا ہی نہیں۔ جیسے پہلے کہ طرح اب بھی ان میں

جانے کتنے گہرے مراسم ہوں۔

کیوں کیا؟" اس نے سرد و سپاٹ لہجے میں پوچھا"

تھا۔ احرار مبشر نے نظر بھر کر اس کا اجڑا بکھرا حلیہ

دیکھا۔ کشادہ روشن براؤن آنکھیں سوجی ہوئیں لال انگارا

تھیں۔ (کیا تھا اگر دشمن جاں دشمن اول نا ہوتی تو

اس وقت تک اس کی باہوں میں ہوتی۔) سوجے

ہوئے چہرے پر مار کے نشان تھے۔ وہ اس وقت سیاہ

فراک پاجامے کے اوپر سیاہ چادر اوڑھے ہوئے اس کے سامنے شعلہ جوالہ سراپہ سوال بنی کھڑی تھی۔

"اس خانزادہ عتیقہ بہن تمھاری لیا، بدلا کا میشا بہن اپنی کے حسن اور سادگی سے حسد کرتی تھی، وہ بھی تمھاری طرح پاکدامن اور باکردار تھی مگر تمھاری بہن نے ایک سازش کے تحت اسے اور ایک لڑکے کو ایک کلاس روم میں بند کر دیا اور شور مچا دیا کہ وہ غلط کر رہی ہے، پوری یونیورسٹی میں اس کا دامن داغدار ہوا، اس کے کردار پر کیچڑ اچھالا گیا، جس کی وجہ سے میری بہن نے

خود کشی کر لی، پانچ سال سے انتقام کی آگ میں جل رہا تھا، اب جا کر سکون آیا، سن لیا؟ بدلا لیا۔"

اس نے بھی بے تاثر لہجے میں ساری تفصیلات اس کے گوش گزار کر دی تھی۔

"جو کیا میری بہن نے کیا، اگر اتنی ہی غیرت اور مردانگی جوش مار رہی تھی تو اس سے بدلا لیتے، مجھے کیوں برباد کیا۔" وہ چیخ پڑی۔ جب زخم روح کے ناسور بن جائیں تو چیخنا بنتا بھی ہے۔ احرار مبشر کا سفید چہرہ طیش و اشتعال کی شدت سے سرخ پڑ گیا۔

غیرت اور مردانگی جو جوش مار رہی تھی اس کا نتیجہ تو"
تم بھگت ہی چکی ہو، وہ بڑے عامیانہ پن سے کہتا
نبیہ کی روح تک کو زخمی کر گیا۔" اسی لیے آواز دھیمی
رکھ کر بات کرو نہیں تو گدی سے زبان کھینچ لوں گا،اور
ہاں کچھ کرنے کے لیے تمھاری بزدل بھگوڑی بہن
یہاں تھی نہیں، کرتوت کر کے بیرون ملک بھاگ گئی
تھی، اور رہی بات بدلے کی تو وہ سنا نہیں آنکھ کے
بدلے آنکھ ، کان کے بدلے کان، اور بہن کے بدلے
بہن"۔

اس نے کافی اطمینان اور لاپروائی سے کہا تھا۔

"سہی کہا آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان اور تہمت کے بدلے تہمت۔" اس نے آہستگی سے کہا تھا جیسے یہ بات خود کو ذہن نشین کروائی ہو اس کے الفاظ رگوں میں خون منجمد کر دینے والت تھے۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے احرار مبشر جیسے شخص جھرجھری سی محسوس ہوئی تھی۔

اور اگر آپ کی بہن کی طرح میں نے بھی خودکشی کر" لی تو؟ بڑا ہموار سا لہجہ تھا جس پر مقابل بری طرح چونکا تھا۔

تم احرار مبشر کی بیوی ہو جانِ من، اطمینان رکھو میں" تمھیں مرنے نہیں دوں گا، بس تمھارے خاندان کی پگڑی اچھالنی تھی اچھال دی، خانزادہ خاندان کو رسوا اور بدنام کرنا تھا (جیسے ہم ہوئے تھے) کر دیا، اب زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا، تمھاری پارسائی ثابت نا ہونے پر تم اور تمھارا خاندان جرگے میں ہم سے معافی مانگو گے، اور

میں تمھارے خاندان پر احسان کرتا تمھارے خاندان کو معاف کر کے تمھیں اپنا لوں گا، دیٹس اٹ۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اور اپنی اولاد جسے حرام اور ناجائز ثابت کر دیں گے، اس کو اپنائے گا آپ کا خاندان۔" وہ بھی بہت ہموارہ لہجے میں اس سے سوال پوچھ رہی تھی آخر جاننا چاہتی تھی وہ نیچ پن کی کون سی حد تک گر کر یہ ساری پلاننگ کیے بیٹھا ہے۔

ایک مرتبہ میرا بدلا پورا ہو جائے تو اسے معاشرے"

"میں نام اور مقام دلوانا اس کے باپ کا کام ہوگا۔

اس کے رعونت بھرے فرعونیت لئے لہجے میں اب

بھی بلا کی لاپروائی تھی۔ لہو رنگ آنکھیں لیے وہ مسکرائی

تھی۔ جس پر مقابل کو اچھا خاصا دھچکا سا لگا تھا۔ تب

اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں یوں ڈالی کے

مقابل کی روح تک تھرتھرا گئی تھی۔

"میں آپ کو آخری موقع دے رہی ہوں اپنے گناہ کا

کفارہ ادا کرنے کا، کل کو جرگہ نہیں لگنا چاہیے، آج

اگر آپ نے اپنی غلطی سدھاری تو ٹھیک نہیں تو قسم

خدا کی میں آپ کو پچھتانے کا بھی موقع نہیں دوں

گی، میرا پلٹ وار آپ سہہ نہیں پائیں گے، وہ سنا تو

ہوگا ناں کہ ایک عورت جب انتقام لیتی ہے تو شیطان

تک پناہ مانگتا ہے۔"

وہ کہہ رہی تھی جبکہ جانے کیوں احرار مبشر کو بہت

کچھ انہونی کے ہونے کا خطرہ لاحق ہوا مگر وہ سر

جھٹکتے بھڑک کر اس تک پہنچا تھا۔ اور اسے بازوؤں

سے تھام کر جھنجھوڑ ڈالا۔

صدمے سے پاگل تو نہیں ہو گئی یا دماغ ہل گیا"

ہے، کیا بکواس کر رہی ہو، اب صرف وہ ہوگا جو احرار

مبشر چاہے گا اور کچھ نہیں،کیا کرو گی تم؟ کیا کر

سکتی ہو؟ کچھ نہیں، میں بس اپنا بدلا لوں گا، اور اس

کے بعد تمھاری ساری آکڑ نکال دوں گا یہیں اسی

کمرے میں، سمجھیں، وہ دھاڑا تھا۔ مگر کسی زندہ لاش

کی طرح اس کی پتلیاں بے تاثر اور ساکت تھیں۔

"پھر سے کہہ رہی ہوں کل جرگہ نہیں بیٹھنا چاہیے،

نہیں تو گزشتہ روز جرگے میں خانزادوں کی بہن اور بیٹی

پیش ہوئی تھی، کل آپ کا سامنا نورزئی کی بیوی سے ہوگا، میں نے محبت کی آپ نے صرف جنگ، اب پلٹ وار کے لیے تیار رہنا، کل آپ نے خانزادوں کی بیٹی کو رسوا کیا تھا مگر میں احرار مبشر کی بیوی کو عبرت کا نشان بنا دوں گی، جس سے احرار مبشر کی روح تک کانپ اٹھے گی۔" وہ بولتی اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ گئی تھی۔

شٹ اپ نبیہ، بکواس بند کرو اپنی اور کل پورا خاندان "مجھ سے معافی مانگنے کے لیے تیار رہنا۔" وہ غرایا تھا۔

نبیہ وہاں رکی نہیں وہاں سے نکل گئی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں تھی جب پیغام آیا تھا کہ جرگہ بیٹھ چکا ہے اور اسے طلب کیا ہے۔اس کی ماں بہن رو رہی تھی۔ اس کے خاندان والے بھی اسے رو چکے تھے۔ اس نے ایک گہری سانس اپنے اندر کھینچی۔ تو وہ اپنی ضد سے نہیں پلٹا تھا۔ اسے تختہ دار پر کھینچنا

چاہتا تھا۔ تو ٹھیک ہے وہ تیار تھی۔ وہ تو کل کے دن ہی اس وقت مر چکی تھی اب زندہ لاش سے کوئی کیا ہی فرق پڑ جانا تھا۔۔ آج وہ اپنی تمام کشتیاں جلا کر اپنے سر پر چادر اوڑھے باہر نکلی تھی۔ وہ آج اس راہ پر چلیں تھی جس پر واپسی کا راستہ اپنے لئے بند کیے جا رہی تھی۔ وہ مردہ قدموں سے چلتی جرگے تک پہنچی تھی۔

اپنی پارسائی ثابت کرو لڑکی۔" نورکزئی خاندان کے" بزرگ نے بارعب لہجے میں کہا تھا۔ لیکن وہ خاموش

تھی سمندر کی اوپری سطح کی طرف خاموش۔ لیکن اس کے زیرِ سطح جانے کیا کیا طوفان اٹھ رہے تھے۔ کوئی کیا جانے۔

"یہ گستاخ بے حیا لڑکی اپنی پارسائی ثابت نہیں کر سکی ہے، اب کیا انصاف کیا جائے، وہ بزرگ پر جلال سے طیش و اشتعال انگیز لہجے میں بولے تھے۔ جب احرار مبشر نورزئی آگے بڑھا تھا۔

"ٹھیک ہے مجھے کوئی انصاف نہیں چاہیے، کیونکہ یہ میری بیوی ہے اور نورزئی کبھی اپنی بیوی نہیں چھوڑتے

تو یہ جیسی بھی ہے مجھے قبول ہے، میں اسے اپنا لوں
گا، بس یہ اور اس کا خاندان سر جھکا کر بھرے
"جرگے میں مجھ سے معافی؟

"میں نبیہ احرار مبشر اپنا جرم قبول کرتی ہوں، اس کا
سرد ترین لہجے میں کہا گیا جملہ جرگے میں موجود سب
کو سن کر گیا تھا حتیٰ کے احرار مبشر کو بھی جو بے
یقینی سے پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا
تھا۔

یہ کیا کہہ رہی ہو نیہ۔" اس کا بھائی شامیر خانزادہ" حلق کے بل چلایا تھا۔ مگر اسے تو جیسے متعلق پرواہ نہیں تھی جو سر اٹھائے جرگے کے بزرگوں کے سامنے سرد و سپاٹ لہجے میں اپنا جرم قبول کر بیٹھی تھی۔ شاہ میر خانزادہ اس کی جانب لپکا اور اسے تھپڑوں ، مکوں اور ٹھوکروں کی زد میں رکھ لیا۔ عجیب ڈھیٹ تھی جو زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھی مار کھا رہی تھی۔ روتی یا بلکتی نہیں تھی۔

"شاہ میر خانزادہ اپنے ہاتھوں پیروں کو لگام ڈالو، اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں اپنی بیوی کے قتل کے بدلے میں تم سے ونی لوں گا تمھاری بیٹی کی صورت"۔

احرار مبشر کی دھاڑ نے پورے مردان خانے کو ہلا ڈالا تھا۔ شاہ میر خانزادہ کے ہاتھ بھی دس سالہ بیٹی کا نام سن کر وہیں تھم گئے تھے۔

جبکہ ادھر احرار کے سرخ و سفید رنگت پر غضب کا قہر تھا۔ سینے میں آگ کے بھانبھڑ جلے اٹھے دل کیا اس بے وقوف کو جا کر جھنجھوڑ ڈالے جو اپنی ضد اور اپنے

پلٹ وار کے چکر میں اپنی اور اس کے بچے کی جان داؤ

پر لگا رہی تھی۔ (اس نے کہا تھا وہ ایسا وار کرے گی

کہ احرار مبشر کی روح تک کانپ اٹھے گی اس نے سہی

(کہا تھا۔ کانپ اٹھی تھی

میں نے اپنے شوہر سے بے وفائی کی ہے، میری"

کوکھ میں حرام اور ناجائز بچہ ہے، اس نے لرزتے کانپتے

کھڑے ہوتے پھر سے کہا۔ شاید جان چکی تھی کہ

جرگے میں جرم قبول کرنا اپنے لئے موت مانگنا ہوتا

ہے۔

"یہ کیا کہہ رہی ہے بے حیا لڑکی، اگر یہ تیرے شوہر کا نہیں تو کس کا حرام خون ہے، نام بتا اس کا؟ پھر تیرے ساتھ اس کو بھی سنگسار کیا جائے گا۔"

"اس کا نام حارث عبداللہ ہے، میرے ساتھ پڑھتا تھا، مر گیا ہے وہ، آپ لوگوں کو اپنے ہاتھ اس کے خون میں رنگنے کی ضرورت نہیں، صرف میں اور یہ حرام بچا ہے، میں شرمندہ ہوں، اور ساری عمر اس گناہ کا کفارہ ادا نہیں کر سکتی اسی لئے اپنے شوہر سے بے وفائی کے بدلے اس جرگے سے اپنے اور اس بچے کے لیے

موت کی سزا مانگتی ہوں، (جس بچے کا باپ اسے

زمانے بھر کے سامنے ناجائز اور حرام ثابت کر دے

اس کا مر جانا بہتر) آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے

عبرت کا نشان بنا دی جاؤں، تاکہ پھر کوئی بیوی اپنے

شوہر سے بے وفائی نا کرے۔" (تاکہ پھر کوئی شوہر

اپنی بیوی کی عزت اچھالنے کی حماقت نا کرے

وہ یہ کیا کہہ رہی تھی؟ بھرے مجمعے میں احرار مبشر

نورزئی کو جیتے جی درگور کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی

جرگے کا اصول تھا جو مجرم اپنا جرم قبول کرتے اپنے

لیے جو سزا مانگتا تھا اسے ہر صورت وہی سزا دی جاتی تھی۔ احرار مبشر جانتا تھا وہ کہہ رہی تھی کہ اسے یوں عبرت کا نشان بنایا جائے کہ آئندہ کوئی بھی شوہر اپنی بیوی پر تہمت لگانے سے پہلے ہزار بار سوچے۔

ٹھیک ہے، کل جرگے میں اسی وقت اس حیا باختہ لڑکی کو گولی مار کر ہلاک کیا جائے گا۔" فیصلہ ہو چکا تھا۔ جرگہ برخواست ہو گیا تھا۔

اس کی ماں اسے دھنک رہی تھی جب عتیقہ آگے بڑھی

اور اسے ماں سے چھڑایا۔

آپ لوگوں کو نظر نہیں آ رہا وہ ہم سے بدلا لے رہا"

ہے، کی تھی میں نے اس سے بات وہ کہتا ہے

انتقام لیا ہم سے۔" وہ چلائی تھی اور انھیں تمام

حقیقت بتاتی چلی گئی کہ یہ اس کا گھناؤنا جرم تھا جو

اس کی لاڈلی بہن کے آگے آ گیا تھا۔ خانزادہ حویلی

میں موت کا سا سناٹا چھا چکا تھا۔

میں نے تو اپنا کیا ہوا بھگتا ہے جانے کون کونسی" سی صورت میں، اور آپ لوگ؟ اس وقت زمینوں اور دوسری چیزوں کے لالچ میں ذرا خیال نا آیا کہ دشمن خاندان آخر اتنا مہربان کیوں ہو رہا ہے؟ وہ لوگ کیا چاہتے ہیں ہم سے، ہماری عزت ہمارے خاندان کی سب سے باکردار اور پاک دامن لاڈلی چھوٹی بیٹی کی بلی چاہتے ہیں، وہ ہمارے پورے خاندان سے اس جرم کی ،معافی منگوانا چاہتا تھا جو نبیہ نے کبھی کیا ہی نہیں اس نے اپنی موت کا مطالبہ کر کے آپ لوگوں کو

جھکنے سے بچا لیا، عتیقہ پاگلوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر روتی چلا رہی تھی۔ اور وہاں موجود تمام افراد جیسے بے موت مر رہے تھے۔ وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

اندھیرے کمرے میں دھوئیں کے مرغولے اٹھ رہے تھے۔ راکنگ چیئر پر جھولتا وہ سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔ یہ پلاننگ آج کی نہیں برسوں کی تھی۔ بہن کو زہر کھا کر ایڑھیاں رگڑتے مرتے ہوئے دیکھا

تھا۔ اس کے آخری الفاظ مجھے عتیقہ خانزادہ نے برباد کیا۔ میری موت کی زمہ دار عتیقہ خانزادہ ہے۔ آج تک اس کے کانوں میں گونجتے اسے رات کو سونے نہیں دیتے تھے۔ معصوم بڑی بہن نے اس کے بازوؤں میں دم توڑا تھا۔

مگر اس تمام پلاننگ میں 'محبت' آؤٹ آف سلیبس آ گئی تھی۔ وہ بہت معصوم ، پاکیزگی کی مورت اور با کرادر تھی کہ تین سال اس کے پیچھے خوار ہونے کے باجود وہ اس کی جانب مائل نہیں ہوئی تھی حالانکہ لڑکیاں تو

اس جیسے مرد کی تین مہینوں کی توجہ سے اپنا سب کچھ اس پر لٹانے کو تیار ہو جاتیں۔ پھر اس نے دوسرا پینترا آزمایا اور دونوں خاندانوں کو درمیان میں ڈال کر اس سے نکاح کر لیا۔

بڑی آہستگی سے نبیہ خانزادہ نے اس کے دل میں نقب لگائی تھی۔ اس نے کسی آکٹوپس کی طرح اس کی روح میں پنجے گاڑھے تھے یوں کہ وہ اسے دل و جان سے الگ کرنے کی کوشش کرتا تو خود مر جاتا۔ اور یہ راز یقیناً وہ بھی جان گئی تھی۔ اللہ جانے کب۔

شاید اس رات جب احرار نے اسے محبت کی دیوی بنا کر ساری رات اس پر اپنی محبت کی برسات کی تھی اس کی روح کی چادر بنا تھا۔ بڑی چالاک تھی کل آ کر احرار سے اس کے تمام داؤ پوچھ گئی تھی اسے اسی کے کھیل میں شہ مات دینے۔

عجب دشمن جاں ہے کہ وار سے پہلے

وہ مجھ سے میرے بچاؤ کی چال پوچھتا ہے

وہ جان گئی تھی وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کسی صورت نہیں۔ وہ احرار مبشر نورزئی کی کمزوری جاننے آئی تھی جو وہ خود تھی سو وہ جان گئی تھی۔ واقعی اس کا وار بڑا کاری ثابت ہوا تھا جو احرار مبشر نورزئی کو آسمان سے زمین پر اس کے قدموں میں پٹخ گیا تھا۔ اس کی روح کے بخیے ادھیڑ گیا تھا۔ وہ یوں اوندھے منہ گرا تھا کہ سنبھل نہیں پا رہا تھا۔ وہ اسے بار بار فون ملا رہا تھا۔ مگر اسے پتہ چلا تھا وہ اپنا فون نذر آتش کر چکی ہے۔

جب برداشت کی ہر حد پار ہوئی تو وہ ان کی حویلی چلا آیا

جہاں اس کے سینے پر بندوقیں تان لی گئیں تھیں مگر اسے رتی برابر پرواہ نہیں تھی۔

"مجھے نبیہ سے ملنا ہے، یہ ڈرامہ بند کرو اور مجھے میری بیوی سے ملنے دو۔" اس نے بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔

"کون سی بیوی، وہ جس کو زمانے بھر میں رسوا کر چکے ہو۔" عتیقہ نے روتے ہوئے اس پتھر سے سر پھوڑا تھا۔ وہ استہزایہ مسکرایا۔

کم از کم تمھارے منہ سے تو میں رسوائی اور بے عزتی"

"کا کوئی لیکچر سننے کے موڈ میں ہر گز نہیں ہوں۔

اس نے سرد لہجے میں کہتے اپنے قدم آگے گرڑھائے۔

اس نے خود کو کمرے میں بند کر رکھا ہے۔" عتیقہ"

نے کہا تو کمرے کے باہر اس کے قدم جم گئے۔

"کمرے کے دروازے کی چابی دو۔"

کنڈی لگا رکھی ہے۔" عتیقہ نے بتایا کیونکہ وہ لوگ خود"

ہر حربہ آزما چکے تھے۔

میں یہ دروازہ توڑ دوں گا۔" وہ دھاڑا تھا۔"

بکواس بند کرو احرار مبشر، اس تک جانے والے ہر"

دروازے کو خود اپنے ہاتھوں سے بند کر کے اب کون

سے دروازے توڑو گے، وہ کہتی وہاں سے جا چکی تھی۔

اس نے نبیہ کو بہت آوازیں دی مگر وہ کان لپیٹے

جانے کون سی بھول بھلیوں میں گم ہو چکی تھی کہ

اس کی ایک بھی پکار کا جواب نہیں دیا تھا۔ وہ نامراد

واپس لوٹ آیا تھا۔

اس نے کہا تھا وہ اس کا پلٹ وار برداشت نہیں کر پائے گا وہ واقعی نہیں کر پا رہا تھا۔ نبیہ احرار مبشر نے اس کھیل میں احرار مبشر نورزئی کو شہہ مات دی تھی۔

اس نے سفید فراک اور ٹراوزر کے اوپر سفید چادر اوڑھی تھی۔ وہ شاید دنیا کو بتانا چاہتی تھی کہ دنیا سے جاتے وقت اس کا دامن صاف شفاف ہے اس پر کوئی داغ نہیں۔ اس کا پورا خاندان خون کے آنسو رو رہا تھا۔ اس

کی ماں اور بہن پر بار بار غشی طاری ہو رہی تھی۔ مگر اس کی آنکھیں خشک تھیں اور پتلیاں ساکت۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت

رہتی ہے

یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی کوئی بات نہیں

وہ دھیمے مگر مضبوط قدم اٹھاتی سر اٹھا کر جرگے میں آئی تھی۔ اس کے شوہر نے اسے تختہ دار پر کھینچنا تھا وہ سر کے بل چلی آئی تھی۔ وہ کلمہ طیبہ کا مسلسل

ورد کر رہی تھی۔ اس سے پہلے کوئی اس پر بندوق تانتا۔احرار مبشر نورزئی نے لال انگارا زخمی نگاہیں اٹھا کر اس پاکیزگی کی بے جان سی مورت کو دیکھا تھا۔ اور اس کے قریب آ کر اس کی ڈھال بن گیا۔

"میری بیوی پاکدامن ہے، اس نے کوئی گناہ نہیں کیا، اس کی کوکھ میں پلنے والا بچہ میرا ہے، میں اس کی پاکدامنی کا گواہ ہوں اور کلمہ پڑھ کر گواہی دیتا ہوں کہ یہ باکردار اور پاکیزہ ہے۔"

وہی مقام وہی جگہ وہی جرگہ اور وہی لوگ۔ پھٹی پھٹی نگاہیں لیے دم سادھے احرار مبشر نورزئی کی گواہی سن رہے تھے جو اس دن چیخ چیخ کر اپنے لئے انصاف مانگ رہا تھا۔ احرار مبشر نورزئی کے اپنے خاندان کے جیسے ہوش پوش اڑ گئے تھے۔ وہ احرار مبشر نورزئی کو اپنے کہے سے ایک انچ ادھر ادھر نہیں ہلتا تھا۔ جو کسی کے سامنے جھکتا نا تھا وہ عشق کی کون سی انتہا پر کا پہنچ چکا تھا کہ جانتے بوجھتے یہ اعتراف کرتے اپنی اور اپنے خاندان کی اس قدر بے عزتی کروا رہا تھا۔ اس

کے خاندان کا سر اس کی حرکت سے شرم سے جھک چکا تھا۔ نورزئی خاندان کی روحیں تک تڑپ اٹھیں تھیں یہ جان کر کہ وہ انھیں کے خون اور نسل کو گالی دے رہا تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے؟ کیا مزاق ہے نورزئی؟ اس دن تم نے اپنی بیوی پر الزام عائد کیا، اور آج خود ہی اس کی گواہی دے رہے ہو، آخر کیوں؟ جرگے کو مذاق سمجھ رکھا ہے کیا؟ کیوں کیا تم نے ایسا؟

خانزادوں سے اپنی بہن کا بدلہ لینے کے لیے، وہ اب"
تمام جرگے کے سامنے اپنی پوری پلاننگ اور سازشیں
خود ہی بے نقاب کر رہا تھا۔ "میں نے اس پر بہتان
لگایا تو اس نے میرے غصے اور ضد میں یہاں الٹا
سیدھا اعتراف جرم کیا۔ جس کا یہ یہاں نام لے رہی
ہے وہ شخص اس کے حمل ٹھہرنے سے تقریباً ایک ماہ
پہلے ہی مر گیا تھا۔ یہ رہا اس کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ۔"
احرار مبشر نے اپنی جیب سے ایک اینویلپ نکال کر
وہاں پڑے میز پر رکھا تھا۔ "عتیقہ خانزادہ بتائے گی

اس نے میری بہن کے ساتھ کیا کیا تھا۔" اس نے

کہا تو عتیقہ نے بھی پورے جرگے کے سامنے اپنے جرم

کا اعتراض کرتے گڑگڑا کر سب سے معافی مانگی تھی۔

"یہ میرا بچہ ہے، میرا جائز اور حلال خون، میری بیوی

نے کچھ نہیں کیا، یونیورسٹی میں اور شہر میں ہر قدم پر

میں اس کے ساتھ تھا، جو کیا میں نے کیا۔"

"بہت خوب، یہ تم دو خاندانوں کا آپس کا جھگڑا تھا

جسے مل بیٹھ کر سلجھا لیتے، جرگے کا وقت کیوں برباد

کیا، خانزادوں نے نورزئی خاندان کی عزت اچھالی اور

"نورزئی نے خانزادوں کی، حساب برابر ہوا۔

نہیں، حساب برابر نہیں ہوا، وہ جو کسی سبک رو"

چشمے کی طرح خاموش اور پرُسکون تھی ان ظالم الفاظ پر

بپھر گئی۔ "میری بہن نے گناہ کیا نورزئی خاندان کی

بیٹی مر گئی، لیکن اس میں میرا کیا قصور تھا،؟ جتنی

میشا خانزادہ میں غیرت تھی کہ اپنی بدنامی پر مر ہی

،گئی کیا اتنی غیرت مجھ میں نہیں ہے؟ ہے بلکل ہے

اب اس جرگے سے مجھے اپنے لئے انصاف چاہیے؟

میں حرام موت نہیں مروں گی، لیکن یہاں جو فیصلہ ہوا تھا وہ یا تو پورا کیا جائے یا مجھے احرار مبشر نورزئی سے طلاق دلوائی جائے۔" وہ چیخ پڑی۔ جرگے میں سب کو سانپ سونگھ گیا تھا جبکہ وہ لہو چھلکاتی نگاہیں لیے اس کی جانب پلٹا تھا۔

نورزئی خاندان میں طلاقیں نہیں ہوتیں نبیہ احرار۔" وہ" ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا تھا۔

نورزئی خاندان کی ماں بیٹیاں یوں جرگے میں سرعام" برہنہ بھی نہیں کی گئیں، جب وہ تماشا پہلی مرتبہ ہو

سکتا ہے تو طلاق بھی ہو سکتی ہے۔" اس کے سرد و

سپاٹ لہجے میں سمجھوتے کے س کی بھی گنجائش

نہیں تھی۔ وہ احرار کی جانب دیکھ ہی نہیں رہی تھی

مطلب اس پر نفرت کی نگاہ ڈالنا بھی گوارا نہیں تھا۔

اس حالت میں طلاق نہیں ہوتی۔" وہ پھٹ پڑا۔"

عجیب جھنجھلاہٹ تھی دل کیا اس کو جھنجھوڑ ڈالے

اور کہے مجھ سے بات کرو۔ کیوں نہیں کرتیں؟

مجھے ابھی اسی وقت مشروط سائن شدہ طلاق نامہ"

چاہیے جس پر لکھا ہو پیدائش کے فوراً بعد طلاق رونما ہو

جائے گی۔" وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی ادھر ادھر ہلنے کو تیار نہیں تھی۔ وہ جرگے کے بزرگوں کے سامنے اپنے دو مطالبات رکھے چکی تھی۔ یا اسے مار دیا جائے یا اس شخص سے آزادی دلائی جائے۔ اورکزئی بھلا ناحق قتل کیوں کرتے پھرتے (اور رہی بات طلاق کی تو یہاں حسب روایت عورت کی بات کو معمولی سی اہمیت بھی حاصل نہیں تھی جو وہ فوری نبیہ کے حق (میں فیصلہ سنا دیتے۔

"بااسسس،، بہت ہوگیا، آخر یہ یہاں ہو کیا رہا ہے،

میں پوچھتا ہوں کہ کیا جرگے کا مقصد اس طرح کے

گھریلو جھگڑے اور معاملات سلجھانا رہ گیا ہے، احرار مبشر

نورزئی اور حاکم خانزادہ (نبیہ کے والد) یہ خالص گھریلو

جھگڑا اپنے گھروں میں بیٹھ کر سلجھائیں، آپس میں جو

معافی تلافی کرنی ہے کر لیں، صرف بچی کی خاطر آیک

آخری مرتبہ یہ جرگہ کل بھی بیٹھے گا، اگر کل بھی بچی

یہاں جرگے میں حاضر ہو کر اپنی طلاق کا مطالبہ دوبارا

دہراتی ہے تو تہمت لگانے کی پاداش میں احرار مبشر

نورزئی کو ہر قیمت پر اپنی بیوی کو مشروط سائن شدہ

"طلاق نامہ دینا پڑے گا۔

جرگے نے اپنا فیصلہ سنا کر احرار مبشر کے سر پر حویلی

کی چھت گرائی تھی۔ سب لوگ جا چکے تھے۔ یونہی بے

تاثر چہرہ لیے وہ وہاں سے جانا چاہتی تھی جب احرار نے

اس کی کلائی تھامی چاہی تھی مگر نبیہ نے تیزی سے

اپنا بازو کھینچ کر اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی۔

میں تمھیں کسی صورت طلاق نہیں دوں گا۔" وہ"

غرایا تھا۔ مگر وہ ان سنی کیے بغیر اس سے کلام کیے

وہاں سے تیزی سے نکل گئی تھی۔ پیچھے احرار کے باپ

دادا اور نبیہ کے دادا والد اور شاہ میر خانزادہ رہ گئے

تھے۔ وہ حاکم خانزادہ کی جانب پلٹا تھا۔

"آپ لوگ بھی یہی چاہتے ہیں جو آپ کی بیٹی چاہتی

ہے، اپنی بیٹی کے لیے طلاق چاہیے آپ لوگوں کو۔"

اژدھوں سی پھنکار لیے وہ اب ان سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں، ہم اب بھی ہمیشہ کے لیے یہ دشمنی ختم کرنا

چاہتے ہیں، تم نے جو بھرے ہجوم میں ہماری بیٹی پر

بہتان لگا کر گناہ کیا تھا اس کا مداوا کرتے ہوئے

بھری محفل میں اسے پاک دامن ثابت کیا ہے، اسی لیے ہم یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتے، ویسے بھی تم اس کے بچے کے باپ ہو۔" حاکم خانزادہ نے حسب روایت داماد کے حق میں ہی فیصلہ لیا تھا۔

تو ٹھیک ہے کل میری بیوی جرگے میں نہیں پہنچی چاہیے، بلکہ مجھے رخصتی چاہیے کل ہی،وہ کیسے ہوگی میں آپ لوگوں کو بتا دوں گا۔" اس نے پل بھر میں فیصلہ کیا تھا۔ جس پر سب نے اتفاق کیا تھا یہ جانے بغیر کے وہ ایک جیتی جاگتی لڑکی کے لیے فیصلہ

لے رہے ہیں۔وہ کوئی کھلونا یا بے جان گڑیا نہیں جسے وہ لوگ جہاں چاہیں گے موڑ دیں گے۔ لیکن یہاں یہ روایتی مرد خود کو ناخدا سمجھتے یونہی فیصلے لیا کرتے تھے جیسے اب آپس میں سار معاملہ طے کیے بیٹھے تھے۔

وہ آج پھر ساری رات تلاوت کرتی رہی سو نہیں پائی تھی۔وہ جانتی تھی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند کی جانے والی چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے۔ مگر وہ مجبور تھی کم از کم اس پر صبر نہیں کر

سکتی تھی۔ وہ اب اس شخص کے ساتھ کسی صورت نہیں رہ سکتی تھی۔اسی لیے اسے ہر قیمت پر صبح جرگے میں اپنے لیے فیصلہ لینا تھا۔ وہ کئی راتوں کی بے آرام تھی آج بھی نہیں سو پائی۔ اس کی صحت دن بدن گر رہی تھی۔ باہر کیا ہو رہا تھا اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ اسے تو یہ بھی پتہ نہیں تھا باہر حویلی کو دلہن کی طرح سجایا گیا ہے۔ اور تیاریوں کا ایک ہنگامہ برپا ہے۔

صبح وہ اپنے کمرے میں جرگے میں جانے کی تیاری کر رہی تھی جب اس کی بہن عتیقہ اس کے لیے ناشتہ لے کر آئی تھی۔ اس نے کئی دن سے ڈھنگ سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ اسی لیے عتیقہ آج خود اس کے کمرے میں آئی تھی۔ وہ جو الماری سے چادر نکال رہی تھی اس کا ہاتھ تھام کر اسے بیڈ پر بٹھایا اور خود اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ نبیہ نے بے تاثر چہرہ لیے سوالیہ نگاہوں سے اپنی بہن کو دیکھا جو جب سے واپس آئی تھی اس سے نگاہیں نہیں ملاتی تھی۔

"آج میں بچپن کی طرح اپنے ہاتھوں سے تمھیں ناشتہ کرواؤں گی، عتیقہ نے کہتے پراٹھے کا نوالہ بنا کر اس کے منہ کے آگے کیا جو اس نے چپ چاپ کھا لیا۔ آدھا پراٹھا کھا کر ہی وہ برے برے منہ بنانے لگی۔

"دل خراب ہو رہا ہے آپی۔" نبیہ نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

"اچھا پھر یہ فروٹ کھا لو تھوڑا۔" اس کے ناں ناں کرتے عتیقہ نے پچکارتے اسے تھوڑا سا فروٹ کھلا کر دودھ کا گلاس پلا کر ہی دم لیا۔ اسے نہیں معلوم تھا

دودھ میں ماہر گائناکالوجسٹ کی تجویز کردہ سکون آور دوا ہے۔ عتیقہ اس کے پاس بیٹھی اس کا سر اپنی گود میں رکھے دباتی رہی۔ تھوڑی دیر میں اسے کافی دنوں بعد ایک زور دار جمائی آئی۔

"آپی مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس نے معصومیت سے کہا۔ عتیقہ نے جھک کر نمی لیے اس کی معصومیت بھری آنکھیں چوم لیں۔

"آرام کرو گڑیا، یہ آرام اور اچھی خوراک تمہارے لیے کتنی ضروری ہے تم نہیں جانتیں۔" عتیقہ نے حسرت

بھرے لہجے میں کہا تھا۔ وہ خود بانجھ تھی جو کبھی ماں نہیں بن سکتی تھی شاید قدرت کا یہی انصاف تھا ایک قاتلہ ماں کیسے بن سکتی تھی۔ وہ جلد ہی گہری نیند سو گئی تھی۔ عتیقہ اور ماں نے آنسو بہاتے ہوئے اسے دلہن کا لباس اور زیور پہنا کر اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا۔ ماں اس کا معصوم چہرہ چومتی جاتی اور روتی جاتی۔ کیسی بدقسمت دلہن تھی جو اپنی رخصتی کے وقت ہوش میں ہی نہیں تھی۔ کہ وہ سب جانتے تھے اس کے ہوش میں کم از کم یہ رخصتی ممکن نہیں ہے۔

یہ ان مردوں کے معاشرے کا کیسا ظلم بھرا فیصلہ
تھا جو انھوں نے اس معصوم پر مسلط کر دیا تھا کہ
اسے ہر قیمت پر اپنے حقدار تک پہنچنا ہے۔ اس کی
سب سے بڑی بدقسمتی تو یہی تھی کہ اس کے حقدار
بدل چکے تھے۔ کہ وہ بڑی شان سے خانزادہ حویلی داخل
ہوا تھا۔ بے دھڑک اس کے کمرے میں داخل ہو کر
سب کے سامنے اسے اپنی بانہوں میں بھر کر لے گیا
تھا کہ کوئی اسے اف تک نا بول پایا تھا۔ یوں تو اس
دعوت میں پورا گاؤں مدعو تھا مگر زنان خانے کی جانب

آنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی۔ نا دلہن کو کسی کو دکھایا گیا تھا۔ احرار مبشر زنان خانے تک اپنی کار لایا تھا۔ اپنی باہوں میں موجود اس نرم و نازک وجود کو آہستگی سے اپنی گاڑی میں ڈال کر وہ اطمینان سے وہاں سے گاڑی نکال لایا تھا۔

کافی دنوں کے بعد وہ کافی گہری نیند میں تھی۔ احرار نے اسے اپنی باہوں میں یوں بھرا تھا جیسے وہ کوئی قیمتی متاع ہو یا اس کی زندگی بھر کا کوئی بے تحاشا

قیمتی سرمایہ۔ احرار نے اسے لا کر پھولوں سے بنی مسہری کے بیچ بیڈ پر نرمی سے لٹایا۔ وہ اس وقت سرخ عروسی لباس میں تھی۔ سونے کے زیورات سے لدی پھندی، میک اپ کے نام پر آج پھر صرف سرخ لپ اسٹک لبوں پر لگی ہوئی تھی۔ وہ بہت بے اختیار ہوا تھا اور انتہائی نرمی سے اسے چھو لیا۔ اس کے چہرے کے نقوش اپنے لبوں سے چھوتا وہ رو دیا تھا۔

"میری زخمی شیرنی، جانتا ہوں ہوش میں ہوگی تو اپنے اس دیوانے کو اپنا سایہ تک نا چھونے دو گی، اسی لیے

تھوڑی سی چیٹنگ سہی۔" وہ اس کی چھوٹی سی ناک
میں ہیرے کی لونگ پر اپنے لب رکھتے آہستگی سے بولا
تھا۔ وہ اپنی آنکھیں صاف کرتا اس سے دور ہٹا تھا۔ جانتا
تھا اسے کے معاملے میں کتنا جنونی اور بے لگام ہے
یونہی اس کے قریب رہا تو خود پر سے اختیار کھو دے
گا۔ وہ خود اس وقت رائل بلو شیروانی میں بے تحاشہ
ہینڈسم اور ڈیشنگ لگ رہا تھا۔ نیلی شیروانی اتار کر اس
نے الماری میں رکھی تھی۔ اور نیچے سفید سوٹ کے
کف کہنیوں تک فولڈ کرتا وہ واش روم گیا تھا۔ وہ فریش

ہو کر گیلے بالوں میں ہاتھ پھیرتا باہر نکال تو وہ نیند سے بیدار ہوتی دھیمے سے کسمسا رہی تھی۔

احرار مبشر کا دل پسلیوں سے ٹکرایا تھا۔ جان لبوں پر آ گئی۔ اتنا بڑا قدم اٹھا تو لیا تھا۔ اب اس کا کیا رد عمل آنا تھا وہ سوچ کر رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔

نبیہ نے نرمی سے اپنی آنکھیں کھولیں تھیں۔ کافی دیر تو وہ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی کہ آیا وہ نیند میں ہی ہے یا بیدار ہو چکی ہے۔ جب شعور کی دنیا میں قدم رکھا تو نبیہ کے آنکھوں کے سامنے پوری دنیا گھوم گئی۔

شک کی تصدیق اس وقت ہوئی جب وہ قابلِ نفرت شخص اپنے گیلے بالوں میں ہاتھ پھیرتا اس کی جانب ہی بڑھ رہا تھا۔ نبیہ کو لگا وہ سانس نہیں لے پائے گی۔ تڑپ کر اس کانٹوں بھرے بستر سے اٹھی۔

نبیہ نے اپنا چکراتا سر تھاما تھا۔ اسے تو جرگے میں جانا تھا۔ تو کیا وہ شخص ایک مرتبہ پھر اس کے ارادوں پر شب خون مارتا اسے یہاں اٹھا لایا تھا۔ اس کے جسم پر عروسی لباس تھا۔ اس کے وجود پر زیورات تھے۔

جنھیں وہ اب ہزیانی سی ہوتی آہستہ آہستہ اپنے جسم

سے کسی اچھوت کی طرح نوچ رہی تھی۔ اس نے بیڈ

کے سائیڈ ٹیبل پر پڑا جگ اور گلاس ایک دھماکے سے

زمین بوس کیا تھا اور اب وہ مسہری کے پھول نوچ رہی

تھی۔ جبکہ احرار مبشر سانس حلق میں اٹکائے اس کا رد

عمل دیکھ رہا تھا۔ احرار نے اتنے دنوں سے اس کی

آنکھ میں ایک آنسو تک نا دیکھا تھا لیکن اب وہ چیخ چیخ کر

روتی پورا سجا سجایا کمرا تہس نہس کر رہی تھی۔ جب

کچھ نا سوجھا تو زمین پر پڑے ٹوٹے جگ کے شیشے کی

جانب لپکی کانچ کو اٹھایا اور اپنی کلائی پر رکھا۔ احرار بجلی

کی سی تیزی سے اس تک پہنچا تھا اور اس کی کلائی اپنی مضبوط گرفت میں جکڑ لی۔

ہاتھ مت لگانا۔" وہ یوں چیخی کے حلق میں خراشیں" تک پڑ گیئں۔ احرار مبشر نے فورا اس کی کلائی چھوڑ دی تھی۔

نہیں لگاؤں گا، اگر چاہتی ہو تمھیں ہاتھ نا لگاؤں تو خود" "کو اور میرے بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گی تم۔ احرار نے سنجیدگی مگر نرمی سے کہا تھا۔ تب وہ پاگلوں کی طرح ہنس دی تھی۔ آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر

استہزایہ ہنسی۔ احرار جانتا تھا وہ اسے اس وقت کیا طعنہ مارے گی۔

"تمہارا بچہ؟ وہ ہنسے گئی۔ احرار مبشر نورزئی نے اپنے لب بری طرح بھینچے تھے۔ "یہ تمہارا بچہ نہیں، اللہ جانے کس کا۔" اس سے پہلے وہ اپنے لبوں سے کوئی انہونی نکلاتی احرار نے اس کی پچھلی گردن پر ہاتھ جما کر ایک ہاتھ اس کے لبوں پر جمایا تھا۔

اشش، بلکل چپ! کوئی برا لفظ اپنے منہ سے "

نہیں نکالو گی تم۔" اس نے سرد و سپاٹ لہجے میں کہا

تھا۔

دور ہٹو۔" وہ ایک مرتبہ پھر چلائی اور اسے خود سے دور"

جھٹکا۔ "کیوں لائے ہو مجھے یہاں؟ مجھے جرگے میں جانا

ہے اپنے گھر جانا ہے، ہٹو سامنے سے، وہ چلائی تھی۔

تمھارے گھر والوں نے ہی تمھیں میرے ساتھ ہمیشہ "

ہمیشہ کے لیے رخصت کیا، اب وہاں جا کر کیا کرو گی

وہ پھر تمھیں ادھر ہی بھیجیں گے میرے پاس۔" وہ

جانتا تھا وہ اس کی ہر آس امید توڑ رہا ہے۔ لیکن اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کے لیے اسے یہ کرنا ہی تھا۔

یہ جھوٹ ہے۔" وہ تڑپ اٹھی تھی۔ یوں لگا کانوں" میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا گیا ہو۔ کیا اس کے گھر والے اتنے بے حس اور بیغیرت تھے کہ اسے اس شخص کے ساتھ رخصت کر دیا تھا جو زمانے بھر میں ان کی رسوائی کا سبب بنا تھا۔ کیا وہ اتنی گئی گزری اور گری پڑی ہو گئی تھی کہ اس کے سگے خون کے رشتوں نے اس سے اپنی یوں جان چھڑائی تھی۔ وہ یہ صدمہ برداشت

نہیں کر پا رہی تھی۔ اپنا سینا بری طرح مسلتے وہ اچھے سے سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ احرار کے چہرے کی ہوائیاں اڑیں تھیں۔

نبیہ، کیا ہو رہا ہے تم، شٹ۔" اس کی بات مکمل" نہیں ہوئی تھی جب وہ بیہوش ہو کر اس کی باہوں میں جھول گئی۔ احرار مبشر نے اسے بیڈ پر لٹا کر جلدی سے ڈاکٹر کو فون کیا اور ملازمہ کو بول کر سارا کمرہ صاف کروایا۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس کے ہاتھ پر کینولہ لگا ہوا تھا۔ مطلب رات اسے ڈرپ لگی ہوگی۔ وہ اپنا بھاری سر تھامے بستر پر اٹھ بیٹھی تھی۔ وہ اس دن کی اپنی قسمت سے لڑتی نا تھکی نا جھکی اور نا ٹوٹی تھی۔ کیونکہ اسے لگا تھا چاہے کچھ بھی ہو جائے اس کے اپنے اس کے پیچھے کھڑے ہیں۔ لیکن اب اس کی یہ خام خیالی ثابت ہوئی تھی۔ کہ انھوں نے تو اسے یہاں بھیج کر پلٹ کر اس کی خبر تک نا لی تھی۔ (لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ سارا کیا کرایا احرار مبشر نورزئی

کا ہے۔ اس نے ہی ان کے لاکھ تڑپنے کے باجود ان

کو منع کر رکھا ہے کہ اس کے سنبھلنے تک وہ اس سے

(ناں ملیں

وہ پھر سے بے آواز تڑپ تڑپ کر رو دی تھی۔ کیا

بے بسی اور لاچاری تھی کہ وہ اپنے لیے اپنی مرضی کا

فیصلہ تک نا کر پائی تھی۔ وہ یونہی آنسو بہاتی رہی جب

کمرے کا دروازا کھول کر احرار کی ماں اور چھوٹی بہن

کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ اس کے ماں کے ہاتھ

میں کھانے کی ٹرے تھی۔ نبیہ نے اپنا چہرہ صاف

کیا۔ شاکرہ بیگم نے اس کے سامنے ٹرے رکھی۔ جب وہ چودہ پندرہ سالہ بچی جو کہ احرار کی بہن تھی اس کے گلے سے جھول گئی تو نبیہ اس عجیب سی صورتحال سے بری طرح بوکھلائی تھی۔۔

خنساء سنبھل کر بیٹا، بھابھی کی طبیعت پہلے ہی" ناساز ہے۔" شاکرہ نے اپنی بیٹی کو گھرکا تھا جو اب نبیہ کے قریب بیٹھ کر بڑے شوق سے اسے دیکھ رہی تھی۔ شاکرہ نے تھوڑی آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے نوالہ بنایا تھا۔

مورے، میں سچ میں پھپھو بننے والی ہوں، بھابھی" کب ہمارے گڈے کو لے کر آئیں گی، سب سے پہلے میں اسے گود میں اٹھاؤں گی، آپ سب کو سمجھا دینا نہیں تو میں رو رو کر پوری حویلی سر پر اٹھا لوں گی۔" وہ سبز آنکھوں والی چھوٹی بچی اب ہاتھ بڑھا کر نبیہ کے ناک میں موجود وہ چھوٹی سی لونگ اپنے ہاتھ سے چھو رہی تھی۔ احرار کی ماں نے نوالہ اس کے لبوں کے آگے بڑھایا تو ناچار اسے وہ نوالہ کھانا پڑا۔

بھابھی میں سچ میں پھپھو بننے والی ہوں۔" وہ اب پرشوق نگاہوں سے دیکھتی پوری طرح نبیہ کی جانب متوجہ تھی۔ دل میں اتنی بھڑاس ہونے کے باجود جانے کیوں وہ اس چھوٹی سی بچی کا منہ نہیں جھاڑ سکی تھی۔ اسی لیے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

خنساء کی تو عادت تھی پٹر پٹر بولنے کی۔ اچھی بات یہ ہوئی کہ شاکرہ خاتون جس مقصد سے اسے یہاں لے کر آئیں تھیں وہ پورا ہو چکا تھا۔ نبیہ نے اس کی باتوں میں الجھ کر اچھے سے ناشتہ کر لیا تھا۔

اتنے میں ہلکی سی دستک کے ساتھ وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

پتہ ہے کیا بھابھی، جب سے لالہ آپ کو لے کر" آئے ہیں ناں، لالہ نے ایک مرتبہ بھی کسی کو نہیں ڈانٹا، میں موبائل پر کارٹون دیکھتی ہوں تو لالہ مجھے بہت ڈانٹتے تھے لیکن اب کل سے میں موبائل پر گانے بھی سن رہی ہوں لیکن لالہ نے مجھے ایک مرتبہ بھی نہیں ڈانٹا۔" جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو خنساء بڑی رازداری سے اسے بتا رہی تھی جسے وہ توجہ

سے سن رہی تھی۔ اسے اندر آتا دیکھ اپنے خول میں سمٹ گئی۔

"آگیا میرا پتر، تیرے لئے ناشتہ ادھر ہی بھیجوں یا رسوئی میں آ کر کھا لے گا۔"

"ادھر ہی بھیج دیں۔" اس نے آہستگی سے کہا اور اپنی ویسکوٹ اتاری۔

لالہ، بھابھی مجھے بہت پسند ہے، کیا میں انھیں" اپنے کمرے میں لے جاؤں اپنے کھلونے اور گڑیا دکھاؤں گی۔"

بلکل نہیں، پہلے ہی اس کی طبیعت بلکل ٹھیک" نہیں، اسے آرام کی ضرورت ہے۔" احرار نے سخت سے لہجے میں کہا تو خنساء منہ بسور کر رہ گئ۔

خنساء میں تمھارے ساتھ چلوں گی۔" اس ناقابلِ" قبول شخص کی موجودگی اپنے آس پاس برداشت کرنے سے اچھا تھا وہ اس زندان سے بچ نکلنے کو کوئی زادِ راہ

ڈھونڈ لیتی۔ تبھی بستر سے اٹھی تھی۔ اس کی بات پر خنساء خوشی سے اچھل پڑی جبکہ وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ وہ ابھی تک اسی عروسی لباس میں تھی جو اب اسے کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔

خنساء بھابھی کو کپڑے نکال کر دو۔" اس کی" الجھن سمجھ کر شاکرہ خاتون نے جلدی سے بیٹی کو کہا تو خنساء نے آگے بڑھ کر الماری سے اسے کپڑے نکال کر دیئے۔

اگلے ہفتے بہت بڑے پیمانے پر ان کے ولیمے کی تقریب ہوئی تھی۔ جانے کون سا لحاظ منہ مار گیا تھا کہ وہ بے جان سی گڑیا کی مانند دلہن بنی زنان خانے میں لیے دیئے انداز میں بیٹھی وہ سب برداشت کرتی رہی۔ اس تقریب میں اس کے تمام گھر والوں نے بھی شرکت کی تھی۔ لیکن اس نے ماں سمیت گھر کے کسی فرد سے ناراضگی کے اظہار کے طور پر بلکل بات نہیں کی تھی۔

ولیمے کی تقریب ختم ہوئی تو وہ آرام سے اٹھ کر خنساء کے کمرے میں آگئ تھی --کمرے میں مدھم پیلی روشنی جل رہی تھی۔ نبیہہ ایک کونے میں بیٹھ کر اپنی چوڑیاں اتار رہی تھی۔ سامنے آئینے پر نظر پڑی چہرہ سنہری جھلک میں دمک رہا تھا مگر آنکھوں کے اندر جیسے صدیوں کا اندھیرا ٹھہرا ہوا ہو۔لب خشک، مگر آنسوؤں کی نمی نے پلکوں کو بھگو رکھا تھا۔

چرڑڑ" کی آواز پر نبیہہ ہوش میں آئی تو دروازہ آہستہ" سے کھلا جہاں سے خنساء اندر آئی، مسکراتی ہوئی --

بھابھی، سب آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ احرار بھائی" کہہ رہے تھے آپ تھک گئ ہیں۔" وہ مسکراتی ہوئی بولتی دروازہ آدھا کھلا چھوڑتی اندر آئی۔۔نبیہ نے گردن نہیں اٹھائی۔

ہاں، تھک گئی ہوں ،، شاید کچھ زیادہ ہی۔"وہ کچھ" سوچتی ہوئی کسی خیال میں کھوئی بولی تو خنساء آگے بڑھی۔

میں اماں کو کہہ دیتی ہوں آپ کو آرام چاہیے اپکو" کوئی تنگ نا کرے ۔۔"اسی لمحے دروازے پر احرار نمودار

ہوا۔ چہرے پر مصنوعی سکون، مگر اندر تڑپ۔ سفید شرٹ کے کف کھلے ہوئے، نظریں بوجھل، سانس رکی ہوئی۔

کچھ لمحے وہ صرف اُسے دیکھتا رہا وہ چہرہ جو کبھی چمکتا ہنستا کھیلتا تھا ، آج الزاموں کی راکھ میں دفن ہو چکا تھا۔۔

خنساء، تم نیچے چلی جاؤ ذرا۔ مہمانوں کو دیکھ لو، میں" تمھاری بھابھی کو لے کر آتا ہوں۔" اسکی بات سنتے خنساء نے انہیں دیکھا۔۔

جی اچھا بھائی جیسے آپ کہیں۔۔" وہ کہہ کر رکی نہیں بلکہ وہاں سے نکلتی چلی گئ ۔ دروازہ بند ہوتے ہی خاموشی چھا گئ۔ احرار چند لمحے وہیں کھڑا رہا، جیسے خود میں ہمت جمع کر رہا ہو۔ پھر آہستہ سے قدم آگے بڑھائے۔

"کتنی آسانی سے بھیج دیا تم نے اپنی بہن کو، جیسے تم نے بھی مجھے بھیج دیا تھا اس دن سب کے سامنے بدکردار کہہ کر۔" وہ سر جھکائے بغیر اس کی جانب

دیکھے سرد و سپاٹ لہجے میں یوں بولی جیسے اپنے حواسوں

میں ناں تھی۔ احرار کے قدم رک گئے۔

نبیہہ، خدا کے لیے خود کو تکلیف دینا بند کرو، میں خود"

ہر دن اس ایک لفظ کی سزا کاٹ رہا ہوں۔" نبیہ نے

آئینے میں اس کی پرچھائیں دیکھی۔

سزا؟" وہ پلٹی۔ "سزا تو مجھے ملی تھی احرار مبشر تم پر"

یقین کر کے پ ، تمہارے لفظوں سے، تمہارے شک

سے، تمہارے بے رحمی سے۔ ایک عورت پر تہمت لگانا

صرف زبان کی غلطی نہیں، یہ اس کی روح کی توہین

ہوتی ہے۔ تم نے میری روح کو مار دیا ہے اب کیا چاہیے مجھ سے۔" احرار نے اس کا ایک ایک لفظ سن کر سر جھکا کر لب کاٹا تھا مگر پھر کچھ بولنے کے لیے لب وا کیے --

نبیہ"۔ وہ محض اتنا ہی بول پایا جب وہ غرا اٹھی۔" میرے نام کی حرمت ابھی تمہارے لبوں پر جچتی ہے؟" وہ مڑی، اُس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ "وہی لب، جنھوں نے جرگے کے سامنے کہا تھا، یہ بچہ میرا

نہیں؟" اس نے کاٹ دار لہجے میں کہا تو وہ فوراً نفی

میں سر ہلاتا آگے بڑھا اور کچھ کہنا چاہا،

"میں غلط تھا، نبیہ، میں... میں پاگل ہو گیا تھا۔"

پاگل؟" وہ استہزایہ ہنسی ہنس دی۔"

پاگل تو میں تھی، جو تمہیں اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھی۔"

تم پر یقین کر بیٹھی، تمہاری محبت کو سچا مان لیا جو

تمہارے نام پر آنکھیں بند کر کے جیتی رہی۔ تم نے

میری عزت، میرا یقین، میرا وجود سب کے سامنے خاک

کر دیا۔ تمہیں پتا ہے، جب شوہر اپنی بیوی پر تہمت لگاتا ہے نا احرار، تو صرف وہ عورت نہیں مرتی، اس کا بچہ، اس کا مان، اس کی سانسیں سب دفن ہو جاتی ہیں۔"

احرار کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔ وہ آگے بڑھا، اس کے قریب آیا---

"نبیہ، خدا کے لیے، بس کر دو۔ میں مر رہا ہوں تمہارے سامنے۔ ہاں، میں نے بدلہ لیا، اپنی بہن کی موت کا، میں نے تمہیں اذیت دی، مگر اب ہر لمحہ

پچھتاوے میں جلتا ہوں۔" وہ اسکے سامنے جھک گیا اس نے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔

"وہ میں گناہگار ہوں۔ معاف کر دو۔ میرے دل سے بات نکل ہی نہیں رہی... تمہارا چہرہ... تمہارے آنسو... نبیہ میں نے تمہیں کھونا نیں چاہتا میں سمجھا تھا کہ تم سے بدلہ لے کر میری بہن کی روح کو سکون ملے گا میں سکون میں آجاؤں گا مگر، مگر سچ تو یہ ہے میں خود کو ہر لمحہ کھو رہا ہوں۔" اس کے اس عمل پر نبیہ فورا پیچھے ہٹی۔

،، محبت نہیں احرار مبشر ،، تم نے مجھے اپنی رکھیل بنایا
اپنے بدلے کے لیے استعمال کیا میں تو میں تمھیں اپنی
اولاد پر بھی ترس نا آیا ،، اس کا نا سوچا تمھارے خاندان
کا وارث میری کوک میں تھا جس کو تم نے کیچڑ بنا دیا
،تم نے وہ الزام لگایا جس کے بعد عورت کا کوئی گھر
کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا۔ تم نے مجھے میری ہی نظروں
میں گرا دیا، مجھے تمھاری شکل نہیں دیکھنی، لیکن جانے
مجھے تمھاری صورت میرے کن گناہوں کی سزا مل رہی
ہے۔ تم نے قسم کھائی تھی اس وقت کہ یہ بچہ تمھارا

ہے ہے، مگر کیا فایدہ تم نے اپنی زبان سے اپنی بیوی کے دامن کو داغ دار کیا تھا اور اپنے بچے کو کسی اور کی ناجائز اولاد قرار دیا تھا!"نبیہہ کا لہجہ ٹوٹا ہوا سا مگر آری کی انی کی طرح دل چیرتا ہوا تھا۔

"یہ تہمت صرف ایک جملہ نہیں تھا، احرار۔ یہ وہ زہر ہے جو عورت کو اندر سے جلا دیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں، شوہر کی بات سچ ہوتی ہے... اور بیوی کی وضاحت صرف تماشہ۔ تم نے میرا مان ختم کیا۔ میرا سچ، میرے بچے کی پہچان... تم نے سب داغدار کر دیا۔"

میں تمہارے قدموں میں گرا ہوں، نبیہ۔ تم چاہو تو مار"
دو، مگر نفرت سے مت دیکھو۔ میں تم سے محبت کرتا
ہوں اس غلطی نے مجھے پاگل کر دیا۔" احرار نے
روتے ہوئے سر اٹھایا۔۔

نبیہہ کی آنکھوں میں ضبط کی چمک تھی۔

محبت؟" وہ آہستہ بولی۔ "محبت وہ ہوتی ہے جو"
تہمت نہیں لگاتی۔ محبت وہ ہوتی ہے جو ماں بنتی
عورت پر شک نہیں کرتی۔ تمہاری محبت نے مجھے
عبرت بنا دیا۔

اور اب اگر تم معافی مانگ رہے ہو تو سن لو، میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔ کیونکہ تم نے میرا ایمان توڑا، میرے بچے کا حق چھینا۔ اور کچھ زخم ہوتے ہیں احرار جو مرنے کے بعد بھی نہیں بھر سکتے، "میں تمہیں سزا نہیں دوں گی وقت دے گا۔ میری خاموشی تمھیں دن با دن مارے گی۔" احرار نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ کمرے میں صرف احرار کے خاموش آنسوؤں کی پکار اور نیہ کی خاموشی باقی رہ گئی۔

وہ باہر جانے لگی جب احرار نے فوراً سے گہری سانس لی،۔

"نبیہ!! اگر میں نے تم پہ تہمت لگائی، تو میں خدا کی قسم میں قرآن اور شریعت کے مطابق اس کی سزا بھگتنے کو تیار ہوں، میں وہ اسی کوڑے برداشت کروں گا، اگر اس سے تمہارا حق ادا ہو جائے۔" وہ مضبوط اور حتمی لہجے میں کہتا اٹھا تھا۔ لیکن نبیہ کے تو گویا سر پر لاوے کا پہاڑ انڈیل دیا گیا تھا۔

"میں اپنے کردار کو ثابت کرنے کے لیے کسی کی قاتل نہیں بن سکتی، اور اپنے بچے کو پیدا ہونے سے پہلے یتیم نہیں کر سکتی، کیا چاہتے ہو پھر سے جرگہ بیٹھے، پھر بھری محفل میں میرا تماشا بنے، پھر دو خاندانوں کی عزت سر بازار اچھالی جائے، دوبارہ میری عزت کا جنازہ نکلے، پھر لوگوں کی بھیڑ میں جس کر کھڑی ہو جاؤں،؟مزید رسوا ہونے کی ہمت نہیں مجھ میں"--

"مجھے مار دو، نبیہ۔ اگر اس سے تمہارے دل کی آگ

ٹھنڈی ہو۔ مگر مجھ سے منہ نا موڑو ایسے نفرت مت کرو

مجھ سے ،، پلیززز" اس نے آنسوؤں سے تر چہرہ لیے

التجا کی تو نبیہ کے آنسو بہہ نکلے۔

نہیں، احرار! وہ چیخ اٹھی۔"

"میں بدلہ نہیں چاہتی، بس چاہتی ہوں تم مجھے آزاد کر

دو, کہ ایک عورت کے لیے سب سے بڑا عذاب یہ

نہیں کہ اس پہ الزام لگے... بلکہ یہ کہ جس سے وہ

محبت کرتی ہے، جس پر یقین کرتی ہے وہی اسے بدنام

کردے اسکے کردار کی دھجیاں اڑا دے ،، اپنے ہی بچے

کو کسی کی ناجائز اولاد ----". وہ مزید کچھ بولتی جب وہ

چیخ اٹھا --

نبیہ بس--------!! بس کرو یہ میرا بچہ ہے میرا"

خون ہے ،، تم میری بیوی ہو ،، بسسس کرو

پلیززز--"احرار کی ہمت نے جواب دے دیا- یہ دکھ

ناقابل برداشت تھا-

نبیہ نے دھیرے سے رخ موڑا، اور دروازے کی طرف

چل دی- اس شخص سے کچھ کہنا سننا اور خاص کر

کچھ توقع رکھنا فضول تھا۔ وہ اسے پیچھے بیت پیچھے چھوڑ دینا چاہتی تھی۔ جیسے کوئی ماضی کا حصہ کوئی شخص قصہ پارینہ سمجھ کر بھول جائے۔

احرار نے سر اٹھایا، آنکھوں میں ندامت، دل میں کرب کی آگ لگی ہوئی تھی۔

"میں تمہیں کھو بیٹھا ہوں، نبیہ...اور یہ سزا... وہ کوڑے نہیں جو جسم پر پڑتے ہیں، بلکہ وہ جو دل پر لگے ہیں۔" اس کے دل نے چپکے سے اسے یقین دہانی کروائی تھی۔

نبیہ نے پوری طرح اس سے لاتعلقی اختیار کیے رکھی یوں کہ وہ اس کی توجہ تو کیا بے رخی کے لیے ترستا رہا۔ اس نے اپنا مستقل ٹھکانہ جیسے خنساء اور شاکرہ خاتون کے کمروں کو بنا لیا۔ بس رات کو ناچار اسے اس زندان میں جا کر سونا پڑتا تھا۔ وہ اس سے کبھی ہمکلام تک نا ہوئی تھی۔ وہ اس کی توجہ پانے کو ہر حربہ ہر گر آزما چکا تھا مگر وہ پتھر سے موم نا ہوئی ۔

دن مہینوں میں بدل گئے مگر اس کی چپ نا ٹوٹی۔ احرار مبشر نورزئی ان مہینوں میں اس کے قدموں کی دھول بنتے خاک میں خاک ہو گیا تھا۔ اس کے چھوٹے سے چھوٹا کام خود کرتا۔ ہر وقت ہر روز اس سے مخاطب ہونے کی کوشش کرتا۔ ہر روز اس سے معافی مانگتا ہر روز اس پتھر سے سر پھوڑتا ۔ لیکن وہ پتھر کی مورت تھی جو باتوں یا الفاظ سے پگھلتی ہی ناں تھی۔

پھر ایک دن یہ چپ کا روزہ ٹوٹا۔ خنساء چار پانچ دن سے بجھی بجھی سی تھی۔ نبیہ نے دوست بن کر کریدا

تو جو اس نے بتایا نبیہ کے سر پر طوفان ٹوٹ پڑا۔ اسے اسی حویلی میں کوئی اپنا ہراس کر رہا تھا۔ وہ اس وقت سٹڈی میں تھا جب وہ آگ کا بھانبھڑ بنی اس کے سر پر موجود تھی۔

تم احرار مبشر نورزئی، تم اتنے بیغیرت کیسے ہو سکتے ہو" کہ تمھاری حویلی میں، تمھارا ہی کوئی اپنا، تمھاری چھوٹی سی معصوم بہن کو ہراس کر رہا ہے اور تم پوری طرح بے خبر ہو، بیوی کی عزت و ناموس کی تو حفاظت کر نا

سکے اب بہن کی بھی حفاظت نہیں ہوتی، تف ہے تم جیسے محافظ پر۔"

اتنے مہینوں بعد جب وہ بولی تو پھٹ پڑی تھی۔ جب کہ احرار مبشر نورزئی کے کانوں سے دھوئیں نکلنے لگے وہ اٹھ کر انتہائی جنون بھرے انداز میں اس تک آیا اور اس کو بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"کون ہے وہ، نام بتاؤ۔" وہ جانتا تھا اگر وہ بات کر رہی ہے تو ساری بات کا علم ہوگا۔ نبیہ نے اس شخص کا نام بتایا جو اس کے باپ کا دور کا کزن تھا۔

مجھے اس گھناونے آدمی کے ہاتھ دھڑ سے الگ"

چاہیں، سمجھے، وہ اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ گئی

تھی۔ جبکہ احرار کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

اگلے دن ہی نبیہ کو پتہ چلا اس درندے کا ایکسیڈنٹ ہوا

ہے اور اس کے دونوں ہاتھ اس حادثے میں ضائع ہو

گئے ہیں۔ نبیہ نے خنساء کو سنبھال لیا تھا اور اسے

پوری طرح یقین دلایا کہ اس کے ہوتے ہوئے اب

اسے کوئی پریشان نہیں کرے گا۔ وہ پھر بھی خوفزدہ

نبیہ کو اپنے پاس سلانے لگی تھی۔ آج اس کی
طبیعت صبح سے ہی خراب تھی اور اب رات کے ایک
بجے لگ رہا تھا وہ تکلیف سے مر ہی جائے گی۔ اس
نے پلٹ کر دیکھا تو خنساء گہری نیند میں تھی اس نے
دو تین آوازیں دیں مگر وہ اٹھی نہیں۔ تب وہ آہستگی
سے اٹھی تھی بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر وہ
اپنے کمرے تک پہنچی تھی۔ اس کمرے کا دروازا کھلا
تھا وہ دیوانہ شخص جانے کون سی آس امید میں وہ
دروازا روز کھلا چھوڑ دیتا تھا۔ شاید اس آس میں کہ کوئی

معجزا ہو جائے اور وہ دشمن جاں چل کر اس تک آ جائے۔ وہ معجزہ رونما ہو چکا تھا۔ تکلیف سے دہری ہوتی وہ اس تک پہنچی تھی۔

احرار، گھٹی گھٹی آواز میں اسے پکارا۔ کوکھ میں پلنے" والی معصوم جان کا خیال نا ہوتا تو اپنی جان کے لیے تو وہ بھی اسے کبھی نا پکارتی۔ جب وہ اٹھا نہیں تو نبیہ نے آہستگی سے اس کا کندھا ہلایا تھا۔

احرار۔" ایک مسیحائی بھرا لمس اپنے کندھے پر" محسوس کر کے وہ گڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ وہ دہری ہوتی لڑکھڑا کر بیڈ پر گری تھی۔

نبیہ میری جان۔" وہ تڑپ کر تیزی سے اٹھا۔ اور" اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ نبیہ نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔

کیا ہوا ہے۔" وہ پوچھ رہا تھا۔ نبیہ کا دل کیا اس" پاگل آدمی کا سر پھوڑ دے۔

میرا سر ہوا ہے، جا کر مورے کو بلائیں۔" وہ چلا" اٹھی۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکلا اور باہر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ نبیہ سے زیادہ اسے شور مچاتے دیکھ اس کے دادا نے اسے اچھی خاصی دُر فِٹ کی تھی۔ وہ لوگ اسے ہاسپٹل لائے۔ نبیہ نے دو جڑواں بچوں کو جنم دیا۔ ایک سبز آنکھوں والا بیٹا اور ہری کانچ سی آنکھوں والی بیٹی۔ نورزئی خاندان میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی اور مصروف سے انداز میں بچوں کے کپڑے تہہ لگا کر ٹوکری میں رکھنے لگی۔ احرار بیڈ پر لیٹا تھا۔ بچے پندرہ ماہ کے ہو گئے تھے۔ ایک اس کے سینے پر بیٹھا اپنی چھوٹی چھوٹی انگلیوں سے اس کے شرٹ کے بٹن پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا تو بیٹی تکیے پر بیٹھی اپنے باپ کا سر سہلاتی کبھی ماتھے پر اپنا چھوٹا سا منہ گرا کر اسے چوم رہی تھی۔ احرار نے کن اکھیوں سے اس ظالم جادوگرنی کو دیکھا جو آج بھی اس سے اتنی ہی دور تھی جیسی ندی کے دو کنارے

ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہوئے بھی دور ہوتے ہیں۔

انکل آنٹی لوگ جا چکے ہیں۔" احرار نے نرمی سے" اس سے پوچھا تھا۔ کیونکہ آج بچوں کا عقیقہ کیا گیا تھا۔ اسی لیے پورے خاندان کی دعوت تھی۔

جی، جا چکے ہیں، آپ کو کوئی کام تھا۔" وہی صدا کا" اجنبیت لیے ہوئے لہجہ احرار کو تکلیف سے دوچار کر گیا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اتنے میں ہی خنساء اور شاکرہ

خاتون آکر بچوں کو اپنے پاس لے گئیں۔ اکثر بچے رات کو ان کے پاس ہی ہوتے تھے۔

پیچھے وہ تنہا رہ گئے۔ وہ آج بڑے عرصے بعد اپنے بچوں کی خاطر یوں کیل کانٹوں سے لیس ہوئی تھی۔ سرخ روایتی فراک میں ہلکا پھلکا زیور اور میک اپ میں وہ آج اس کے دل و جاں پر بجلیاں سی گرا گئی تھی۔ وہ اب بڑے اطمینان سے بیڈ پر بیٹھی اپنے گھنے ڈارک براؤن بالوں کے بنے ہیر سٹائل سے پنیں نکال رہی

تھی۔ باہر دسمبر کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ کھڑکیوں پر نرم بوندیں گرتی ایک رومانوی سا ساز پیدا کر رہی تھیں۔ وہ سونے کی کوشش کرنے لگا مگر آج دل و جاں اٹھتے جواب مہکتے جذبے آنکھیں موندنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

تقریباً پونے دو سال ہو چکے تھے اسے صبر کرتے۔ حالانکہ وہ حاکم اور با اختیار تھا۔ عورت مانگتی ہے مرد سرفراز کرتا ہے۔ مرد مانگا نہیں کرتا چھین لیا کرتا ہے۔ لیکن جیسے اس نے اپنی محبت اور سچے جذبوں کی تذلیل

کی تھی اب اس نے چھیننے کی بجائے صبر کرنا مناسب سمجھا تھا۔ وہ مزید اسے خود سے بدظن نہیں کر سکتا تھا۔ خود کو اس پر مسلط کر کے اسے خود سے نفرت کرنے کی ایک اور وجہ نہیں دے سکتا تھا۔ وہ اسے پھر سے پانا چاہتا تھا مگر اس کے دل و دماغ اور تمام تر احساسات کی رضامندی کے ساتھ ۔ اسی لیے دو سال سے صبر کر رہا تھا۔ لیکن کب تک؟ وہ کروٹ پر کروٹ بدل رہا تھا کہ انگ انگ جیسے بھٹی میں تپنے لگا۔ نبیہ نے ذرا سا مڑ کر اس کی پشت کو دیکھا۔ وہ کون سا

بچی تھی جو اس کی آنکھوں کی لپک اور جسم و جاں کے پرزور تقاضے سمجھ نا پا رہی تھی۔

ادھر جب جزبات کی انتہائی عروج پر پہنچی تو وہ بستر سے اٹھ بیٹھا۔ دل و جاں یوں سلگ اٹھے تھے کہ اب کمرے میں موجود رہنا ممکن نا رہا وہ اٹھ کر باہر ٹیرس پر چلا آیا۔ کین کی کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگائی۔ جسم پر پڑتی ہلکی بارش اور خوشگوار ٹھنڈی ہوا نے تپتے دہکتے جذبات پر پھوار سی برسا دی۔ نبیہ نے اس کی حالت دیکھی اور خود کو ضمیر کے کٹہرے میں کھڑے پایا۔

اس نے اپنی ہر غلطی اپنے ہر گناہ کا مداوا کیا تھا۔ وہ دو سال سے ایڑھیاں رگڑتے اس سے معافی کا طلب گار تھا۔ اپنے رب کے حضور بھی سچی توبہ کر چکا تھا۔ لیکن پھر بھی نبیہ کا پتھر دل پگھلے نہیں پگھلا تھا۔

بچوں کی پیدائش کے بعد بھی وہ با امر مجبوراً صرف اس وجہ سے اس سے ہمکلام ہو جایا کرتی تھی کہ وہ اس کے بچوں کا باپ ہے۔ مگر آج۔

، کل ماضی میں ایک وقت ایسا آیا تھا جب احرار مبشر نبیہ احرار کے صبر سے بری طرح خوفزدہ ہوا تھا۔ اور آج

کی رات وہ رات تھی جب نبیہ احرار، احرار مبشر کے صبر سے بری طرح خوف کھا چکی تھی۔ وہ کیا کرتی اپنے اللہ کو ناراض نہیں کر سکتی تھی۔ اور اس رب کریم نے ہی شوہر کا وہ مقام رکھا تھا کہ شوہر کو ناراض کرتی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے کون سا راضی رہنا تھا۔ ہاں وہ اپنے اللہ کو ناراض نہیں کر سکتی تھی اسی لیے اسے اپنی ضد اور انا کا الم اب توڑنا تھا۔

آخر آپ کو تکلیف کیا ہے۔" وہ ٹیرس میں آئی اور" پھنکار کر کہتی اس پر چڑھ دوڑی۔ سگریٹ پھونکتے اس

نے سرخ خمار آلود نگاہیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا جو جب سے اس کے صبر کا امتحان لینے پر تلی ہوئی تھی۔

جو بھی 'تکلیف' تم اچھی طرح جانتی ہو کیا ہے؟ اور" اس کا علاج بھی صرف تمھارے پاس ہے۔" اس نے نرمی سے کہا تھا۔ جذبات لہجے سے چیخ چیخ کر اپنی بے تابیوں کی کہانی سنا رہے تھے۔ نبیہ اس کے لہجے سے اندر تک ہل گئی تھی۔

"تو جہاں ہر معاملے میں زبردستی اور دھونس دھاندلی

سے کام لیا ہے اب بھی کر گزریں جو کرنا ہے، میں

روک سکتی ہوں آپ کو؟ وہ چیخ پڑی جبکہ وہ اس کی

جانب دیکھ کر رہ گیا۔

"میں محض لمحاتی تسکین نہیں چاہتا نبیہ، تم نے محبت

کی، میں نے بھی محبت ہی کی تھی اسی لیے تمھیں

تمھاری اجازت سے دلی رضامندی سے چاہتا ہوں تاکہ

میرے جذبے تشنہ نا رہیں، بتاؤ؟ مجھے خود کو خود کی

اجازت سے دے سکتی ہو۔"

وہ اس کے سامنے دست سوال دراز کرتا اپنا ہاتھ آگے بڑھا گیا۔ جبکہ اس کے طوفان مچاتے جذبوں کے آگے وہ خود میں سمٹ کر رہ گئی۔ پیروں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔ دل نے انکار کیا مگر دماغ نے پرزور حمایت کرتے اس کا ہاتھ احرار کے گرم ہاتھ میں تھما دیا۔ احرار نے اس اپنے قریب کرتے اپنی آغوش میں چھپا لیا۔

"آپ مجھے میری اجازت سے پاسکتے ہیں لیکن میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔" وہ اس کے سینے پر سر رکھے

سسک پڑی۔ اس کے گرم آنسو اس کی شرٹ میں جذب ہونے لگے۔

"دو سال کی ایڑھیاں رگڑنے سے تمھیں تمھاری اجازت سے پا لیا ہے میری جان، اگلی کئی برسوں کی محنت سے تمھیں پھر سے خود سے محبت کرنے پر مجبور کر دوں گا۔" اس نے کہتے اپنے تشنہ لب اس کے ماتھے پر رکھے۔ اس کے لمس کی مسیحائی نے نبیہ کو سکون پہنچایا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ اس کے معاملے میں بہت ضدی اور سرپھرا ثابت ہوا تھا اگر وہ کہہ رہا تھا کہ اسے

پھر سے خود کو محبت کرنے پر مجبور کر دے گا تو وہ
ایسا کر گزرے گا۔ رات بہت گھری تھی احرار مبشر
نورزئی کی محبت کی طرح جس نے اپنی ثابت قدمی سے
اپنی محبت کو اس کی اجازت سے خود میں سمیٹ لیا
تھا۔۔

ختم شد۔